ہم خدا کو کیوں مانیں ؟؟؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کریم کا بے شمار شکر کہ اس نے ہمیں پیدا کیا اور ہماری تمام تر ضروریات کو پورا کیا۔ ہماری سب سے اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہمیں قرآن دیا اور محمد ﷺ جیسا عظیم الشان نبی عطاء فرمایا جنہوں نے اس قرآن کو خوب کھول کر بیان فرمایا۔ لا تعداد درود و سلام ہوں محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر کہ ان جیسا شفیق و کریم معلم دنیا میں کوئی نہیں۔ لاکھوں اور کروڑوں رحمتیں ہوں صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور محدثین علیہم الرحمہ پر کہ جنہوں نے اپنی زندگیوں کا مقصد دین اسلام کی نشر و اشاعت بنایا۔ انہوں نے جان و مال کی قربانی دی سفری صعوبتیں برداشت کیں گھر بار، بیوی بچے سب کچھ چھوڑا تا

کہ دنیا کے کونے کونے میں اللہ کی عظیم الشان نعمت قرآن و سنت پہنچا سکیں۔ہائے افسوس کہ ہم زبانی کلامی مسلمانوں کو گھر بیٹھے اس دین پر غور و فکر کرنے کی توفیق نہیں ہم دنیا میں اس قدر غرق ہو چکے کہ جو لوگ خدا اور آخرت کے انکاری ہیں وہ بھی ہمارے مقابل کچھ نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اسلاف نے اللہ کے اس دین کو اس قدر کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اب مزید کچھ لکھنے یا کہنے کی ضرورت نہیں لیکن اللہ کریم نے سورۃ العصر میں لوگوں کی کامیابی کے لیے چار شرائط بیان فرمائی ہیں۔ ایمان لانا، اعمال صالح کرنا، حق بات کی نصیحت کرنا اور صبر کی تلقین کرنا۔

لہذا مجھے میری فلاح کے لیے ضرورت ہے کہ جو کچھ میں نے اسلام

کو سمجھا وہ دوسروں تک پہنچاؤں ۔ اسی مقصد کے تحت چند باتیں تحریر

کر رہا ہوں جو میرے بچوں کے لیے میری نصیحت ہیں ۔ دعا ہے اللہ

کریم اس تحریر کو کل بروز قیامت میرے لیے ذریعہ نجات بنائے اور

میرے لیے ، میرے والدین کے لیے اور میرے تمام اساتذہ کرام

خاص طور پر مفتی اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے ۔

آمین ثم آمین

ابو طلحہ جواد نواز

0308-2788378

میری اس تحریر کے چار حصے ہیں پہلے حصے کے مخاطب وہ لوگ ہیں

جو خدا کے وجود کو ماننے سے انکاری ہیں دوسرا حصہ ان لوگوں سے

متعلق ہے جو کسی مذہب سے تعلق کا دعویٰ کرتے ہیں خاص طور پر

مسلمان ، اس حصے میں حقانیتِ اسلام کے متعلق گفتگو ہے کہ میں

اس مذہب کو دینِ حق کیوں تسلیم کرتا ہوں اور کیسے یہ مذہب میرے

وجودِ خدا کے عقیدے کی دلیل ہے اور انسانیت کے تمام مسائل

خاص طور پر جان، عزت اور مال کی حفاظت کا واحد حل ہے ۔ تیسرے

حصے میں اسلام کے امتیازی اوصاف جیسے حکومت، معیشت،

عدالت، وراثت اور عزتوں کا تحفظ وغیرہ کا بیان اور آخری حصے میں

اراکین اسلام کا فلسفہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کیا تھا اور ہم سطحی اور محدود سوچ رکھنے والے فرقہ پرستوں نے اسے کیا بنا دیا۔

یہ مختصر سی تحریر دعوت اسلام ہے غیر مسلموں کے لیے کہ کیسے وجود خدا اور آخرت کا عقیدہ ہر انسان کی ضرورت ہے اور اس زمین پر تمام انسانوں کے مل جل کر رہنے کے لیے کامل نظام صرف اسلام ہے۔

مسلمانوں کے لیے بھی یہ تحریر دعوت اسلام ہے کہ جنھوں نے اسلامی شعائر کو محض رسومات تک محدود کر دیا۔جو خدا اور آخرت کو تو مانتے ہیں لیکن اسلامی نظام کے قیام کی کوشش نہیں کرتے کوشش تو دور کی بات ان کا دل تک اس نظام کے قیام کے لیے نہیں

کرڑھتا۔ اس تحریر میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ کیسے وجود خدا اور آخرت کے عقائد ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہیں اور ان عقائد کے ساتھ اسلامی نظام کا قیام لازم و ملزوم ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا اس دنیا میں کوئی فائدہ نہیں۔

اللہ کریم نے ہمیں قرآن و سنت کی صورت میں ایک ایسا جامع نظام دیا کہ آج بھی انسانیت کو جس کی ضرورت ہے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ ﷺ نے اس نظام کو چند سالوں کے انتہائی قلیل عرصہ میں پورے عرب میں رائج کیا اور آپ کے جانشین خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اسے تقریباً پوری دنیا پر نافذ کر دیا۔ ہم بعد کے

مسلمانوں نے اس عظیم الشان نظام کے ایک جزو عبادات کی
صرف عملی شکل کو اپنایا اور اسے ہی کل سمجھ لیا۔

اس وقت کائنات میں انسانوں کے دو قسم کے گروہ موجود ہیں ایک

وہ جو خدا کو مانتے ہیں اور دوسرے وہ جو خدا کو نہیں مانتے

ویسے حقیقت تو یہ ہے کہ خدا کو ماننے والے اور نہ ماننے والے

دونوں ہی نہ ہونے کے برابر ہیں ہاں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ دعوے

دار بہت ہیں خدا کو ماننے اور انکار کرنے والوں کے۔

خدا کو ماننے کا مطلب اپنے ہر کام سے پہلے خدا کا حکم تلاش کرنا اور

اسی پر عمل کرنا۔ ایسے ماننے والے کہاں؟

اور انکار کرنے والوں نے لوگوں کو خدا بنا رکھا ہے کہ ہر کام میں لوگوں

کا حکم مانتے ہیں ۔اس زمین پر شاید ہی آپ کو کوئی حقیقی ملحد ملے

وگرنہ تو سب نے کسی نہ کسی ملک کا قانون ماننے کا عہد کر رکھا

ہے ۔ اور یہ قوانین اکثر لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں ۔ غیر مرئی ہستی کو خدا ماننے والوں نے بھی اس کا حکم ہی مانا ہے اور ملحدین نے اپنے جیسے لوگوں کا ۔

خدا کو مان کر کوئی مذہب اختیار کرنے والوں کی بجائے میں پہلے خدا کو نہ ماننے والوں کی بات کرتا ہوں ۔

خدا کے احکامات کا جزوی انکار کرنے والے لوگ تو بہت پہلے بھی موجود تھے جیسے کچھ نے آخرت کا انکار کیا کچھ نے نبیوں کا انکار کیا یا کچھ لوگوں نے ایک خدا کی بجائے اپنی طرف سے کئی خدا بنا لیے لیکن خدا کے وجود کا کلی طور پر انکار کرنے والوں کی تاریخ کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے ۔

خدا کو نہ ماننے والوں کے بھی بنیادی طور پر تین گروہ ہیں ایک وہ جو پہلے خدا اور کسی مذہب کو مانتے تھے لیکن جب انہوں نے اپنے مذہب کی الہامی کتابوں میں لکھی ہوئی باتوں کو سائنسی حقائق سے ٹکراتے ہوئے دیکھا تو وہ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کی بتائی ہوئی معلومات درست نہیں اس لیے وہ خدا کے ہی سرے سے منکر ہو گئے اور یہ بات حقیقت بھی ہے کہ اکثر مذاہب کی کتابوں میں لوگوں نے اپنی طرف سے باتیں لکھ دیں اور انہیں خدا کی طرف منسوب کر دیا اور نتیجہ خدا کے انکار کی صورت میں نکلا۔

دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے اس مذہب کے علمبرداروں سے انتہا
درجہ کی عقیدت رکھی لیکن جب انہوں نے کوئی غیر اخلاق بات
اپنے ان پیشوؤں میں دیکھی تو انہیں مذہب سے اس قدر نفرت ہوئی
کہ انہوں نے خدا کا ہی انکار کر دیا پاکستانی مدیران مدرسہ، ملاوں،
واعظین و ذاکرین کی اکثریت کی حالت دیکھ کر مجھے پاکستان کی آنے
والی پیڑھی کا دینی مستقبل بھی انتہائی خطرے میں نظر آرہا ہے
ہمارے مذہب کے علمبرداروں کے قول و فعل میں تضاد، غیر اسلامی
رویے، عیاشی میں مست زندگیاں، ہمارے بچوں کی ان کے لیے
نفرت بالآخر انہیں اسلام سے دُور کر دے گی۔ العیاذ باللہ

اسلام آپ کو پر تعیش زندگی سے ہر گز منع نہیں کرتا اگر آپ حلال

طریقے سے رزق کما رہے ہیں تو آپ کی زندگی سہولتوں سے پر ہو کوئی

ہرج والی بات نہیں لیکن جب آپ کا ذریعہ معاش صرف مذہب

ہے جیسے اگر آپ حاکم ہیں تو آپ کی آمدنی عوام الناس کا مال ہے جو

وہ زکوٰۃ صدقات کی صورت میں آپ کو دے رہے ہیں تو اس مال

سے عیاشی اسلام میں قطعاً جائز نہیں اسی طرح اگر آپ کسی مدرسہ

کے مدیر ہیں یا پیر ہیں یا واعظ و ذاکر و عالم ہیں تو آپ کی کمائی کا ذریعہ

مذہب ہے اب آپ کا رہن سہن انتہائی سادہ ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ ملحدین کے اس گروہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو

کسی بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہوئے اور انھوں نے خدا کے

باغیوں کو کامیابیاں سمیٹتے دیکھا تو خدا کے عدم وجود کا وسوسہ پیدا ہونا ایک فطری سی بات تھی کہ ہم خدا کو مان کر مجبور و مقہور اور یہ لوگ خدا کی اعلانیہ بغاوتوں کے باوجود کامیاب و کامران۔ حالانکہ خدا کی اپنی حکمت ہے ہر کام کو کرنے میں، ہم انسان کسی بھی چیز کا بہت ہی محدود علم رکھتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں۔ سورۃ الکھف میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ اس وسوسے کو رفع کرنے کے لیے انتہائی مددگار ہے۔

تیسرا طبقہ جو سب سے زیادہ خطرناک ہے وہ ان لوگوں کا ہے جو خود کو شطر بے مہار سمجھتے ہیں وہ سب کچھ کرنا چاہتے ہیں جو ان کا دل چاہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس وقت زمین پر جتنے بھی مذاہب موجود ہیں

ان سب میں کچھ نہ کچھ اوامر و نواہی موجود ہیں تو یہ باغی مزاج لوگ مذہب سے انکاری ہوئے کیوں کہ مذہب کسی نہ کسی طرح ان کی عیاشیوں اور خواہشات کو پورا کرنے میں ایک رکاوٹ تھا۔ ان میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو اعلانیہ خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو خود کو کسی نہ کسی مذہب سے منسوب کرتے ہیں اور چند دل لگتی باتیں مانتے بھی ہیں۔ لیکن اکثر کاموں میں اپنی مرضی ہی کرتے ہیں۔ اس دنیا میں الحاد پھیلانے کا سب سے بڑا موجب یہی آخر الذکر لوگ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان ملحدوں کو خدا کیسے منوایا جائے کہ **دنیا اور آخرت کی کامیابی تو خدا کو مان کر ہی ممکن** ہے دنیا میں اپنے جان،

عزت و مال کی حفاظت وہ لوگ بھی چاہتے ہیں جو نہ تو خدا کو مانتے ہیں اور نہ ہی آخرت کو۔ ہر مذہب کا اور لوگوں کے بنائے ہوئے ہر نظام کا یہی دعویٰ ہے کہ اسے مان کر دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی مل جائے گی تو اس کا جواب تو مذہب کو ماننے والے اور اس نظام کے پیروکار ہی دے سکتے ہیں کہ وہ خدا کو یا کسی بھی نظام کو کیوں مانتے ہیں؟

لوگوں کے بنائے ہوئے تمام نظام ٹھکرائے جا چکے اور ایک ہی نظام جسے کامل سمجھا جا رہا ہے وہ ہے جمہوریت، اس جمہوریت کا یہ حال کہ آئے روز انسان اپنے بنائے ہوئے قوانین میں ترمیم کرتا ہے۔ لوگوں کو یہ دھوکہ دیا جاتا ہے کہ قوانین سارے لوگ مل کر بنا

رہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری بساط چند طاقت ورلوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر قوانین بناتے ہیں۔ لوگ بیچارے ہر پانچ سال کے بعد ایک پرچی پر مہر لگا کر اگلے پانچ سال اپنی زبان پر مہر لگا کر اپنی بے بسی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔

زمین پر اس وقت بے شمار مذاہ ب اور ان کے ماننے والے لوگ موجود ہیں اور یہ ذمہ داری سبھی کی ہے کہ وہ خدا کا انکار کرنے والے لوگوں کو خدا کے وجود کے متعلق قائل کریں۔

کسی بھی مذہب سے ہٹ کر اگر محض منطق کی بات کی جائے تو ہم خدا کو ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

یہ بالکل سچ ہے کہ وجود خدا ماننے کے لیے ہم کسی بھی مذہب کے محتاج نہیں اس کائنات میں موجود ان گنت عجائبات ہی خدا ماننے کے لیے کافی ہیں ۔ اس کائنات کو پیدا کرنا اور پھر اسے چلانا کہ ہر چیز حرکت میں ہونے کے باوجود اپنے مقرر راستے پر ہے ہر چیز ایک خاص تناسب سے موجود ہے الغرض جس طرف نظر اٹھائیں خدا ہی نظر آتا ہے ۔ سورۃ الرحمٰن کا مطالعہ اس تناظر میں انتہائی مفید ہے اللہ کریم نے اس سورۃ میں اپنے بہت زیادہ عجائبات کا ذکر کر کے اپنا وجود منوایا ہے ۔ اللہ کے کمالات، معجزات اور عجائبات ہر ذی شعور انسان کے ذہن میں سوالات پیدا کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ کس نے بنایا؟ کون اس نظام کو چلا رہا ہے ؟ غور و فکر ذی شعور لوگوں کا ہی کام

ہے باقی اکثریت تو جانوروں کی طرح پیدا ہوئے پلے بڑھے ، کھیل تماشہ ، بچے پیدا کیے ، پالے اور مر گئے ۔ مذہب غور و فکر کرنے والوں کو ان کے سوالات کا جواب دیتا ہے اور تقریباً ہر مذہب کے ماننے والے خدا کو ماننے کے درج ذیل دلائل دیتے ہیں ۔

اس دنیا میں اگر ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو ہمیں بے شمار چیزیں نظر آئیں گی ان میں سے کچھ انسان کی بنائی ہوئی ہیں جن کے بنانے والے کو ہم جانتے ہیں اگر دیکھا نہیں بھی تب بھی کسی نہ کسی کی طرف ہر چیز منسوب ضرور ہے انسان کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے بارے میں بھی اگر کوئی یہ دعویٰ کر دے کہ یہ چیز خود بخود وجود میں آگئی تو اگر اس چیز کو ایجاد کرنے والا موقع پر موجود ہو تو اس کا غصہ دیدنی ہو گا۔ اگر وہ خود موجود نہیں تب بھی کوئی اس

دعویٰ کی تائید نہیں کرے گا بلکہ ایسا دعویٰ کرنے والے کو پاگل اور بے وقوف کے القابات سے نوازا جائے گا۔

کچھ لوگ خدا کے وجود کا محض اس لیے انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے خدا کو دیکھا نہیں وہ بضد ہیں کہ جب تک خدا کو دیکھ نہ لیں مانیں گے نہیں ۔ حالانکہ بن دیکھے ایمان لانا ہی تو اس دنیا میں ہمارا امتحان ہے اللہ کریم نے اس کائنات کو عجائبات سے بھر دیا ہے زندگی صرف اس ایک زمین پر ممکن ہے دیگر ان گنت ستارے سیارے، کہکشائیں لوگوں کو خدا منوانے کے لیے پیدا کی گئی ہیں ۔ خدا کو دیکھ کر ایمان نہ لانا تو کسی کے بس میں بھی نہیں ہو گا۔ موت کے وقت کافی پردے ختم کر دیے جاتے ہیں انسان وہ دیکھتا ہے جو اس نے زندگی میں نہیں دیکھا تھا لیکن اس وقت کا ماننا بے کار۔

یہی لوگ کتنی ہی ایسی چیزوں کا وجود مانتے ہیں جنہیں آج تک کسی نے نہیں دیکھا صرف محسوس ہی کیا ہے۔ جیسے خوشی، درد، دکھ، ہوا، آسمان وغیرہ حیرت اس بات کی بھی ہے کہ ان لوگوں نے آج تک انسان کی بنائی ہوئی کسی چیز کے موجد کا محض اس بنیاد پر انکار نہیں کیا کہ انہوں نے موجد کو دیکھا نہیں ۔ ملحد کو خدا کے وجود کی سب سے بڑی منطقی دلیل یہ ہوئی کہ جو بھی مخلوقات ہیں ان کا کوئی نہ کوئی خالق ضرور موجود ہے ۔ اُن چیزوں کے بارے میں غور کریں جن کو بنانے کا دعویٰ آج تک کسی انسان نے نہیں کیا جیسے سورج، چاند، ستارے، آسمان، زمین ، کہکشائیں، پہاڑ، سمندر، صحرا، درخت، معدنیات اور بے شمار جاندار مخلوقات جن میں سے ایک خود انسان۔

اگر انسان کی بنائی گئی چیزوں کے بارے یہ کہنا کہ یہ خود سے بن گئی بے وقوفی اور پاگل پن ہے تو ان چیزوں جن کا اوپر ذکر کیا ہے کے بارے کہنا کہ خود بخود وجود میں آگئیں ایسا کہنے والے کو پاگل خانہ داخل کروانا ہی بہتر ہے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ خود انسان کا وجود ہی وجود باری تعالیٰ کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ہزاروں سال سے اسی حضرت انسان کے اندر موجود نظاموں اور اعذاء کے بارے میں سائنس دان تحقیق کر رہے ہیں اور اسرار و رموز ہیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔ سپرم اور ایگ کے ملاپ سے انسان بنا۔ مادہ تمام انسانوں کا ایک ہی ہے سب ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف اس قدر کہ

کانوں ، آنکھوں ، چہروں ، فنگر پرنٹس وغیرہ ایک کے دوسرے سے
نہیں ملتے ۔ اسی طرح کچھ بچے معذور کیوں پیدا ہوتے ہیں ؟ سائنس
بگ بینگ سے اس کائنات کا ابتداء کرتی ہے ۔ بگ بینگ کا
محرک کون تھا؟ سپرم اور ایگ بنانے والا کون ؟ مرغی سے انڈہ اور
انڈے سے چوزہ ۔ پہلی مرغی یا انڈا بنانے والا کون؟ یہ سوالات کا
ایک لا متناہی سلسلہ ہے جو باالآخر خدا کے وجود کو تسلیم کرنے سے
ہی ختم ہوتا ہے ۔

زندگی کے علاوہ ایک بہت بڑی حقیقت موت ہے سوال یہ ہے کہ
ہم مرکیوں جاتے ہیں ؟ اس کا جواب بھی کسی کے پاس نہیں ،
بیماری ایک وجہ جو ڈاکٹر کہتے ہیں لیکن اب جدید آلات کی موجودگی میں

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی بیماری سے کم متاثرہ شخص مرجاتا ہے اور
زیادہ متاثر زندہ رہتا ہے۔ تو جیسے زندگی خدا کے وجود کی دلیل ہے
ویسے ہی موت بھی خدا کے وجود کی دلیل ہے۔ اسی طرح ہمیں نیند
کیوں آجاتی ہے؟

ملحدین سے یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے ذہن میں پیدا
ہونے والے خیالات کا سورس کیا ہے کون ہمارے ذہنوں میں
خیالات پیدا کرتا ہے؟ خیالات اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔
اچھے خیالات اللہ کی طرف سے اور برے خیالات شیطان کی طرف
سے۔

آج حضرت انسان نے جتنی بھی ایجادات کی ہیں اور ان ایجادات پر اتنا اکڑا کہ خدا کا ہی انکار کر دیا۔ ان ایجادات کی اکثریت خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی نقل ہے۔ جیسے ہوائی جہاز بنانے کے لیے پرندے ۔کمپیوٹر اور روبوٹ بنانے کے لیے اللہ کے بنائے ہوئے انسان کی نقل۔ اگر کوئی ایجاد اس کے علاوہ ہے تو ان تمام ایجادات کی ابتداء ایک آئیڈیا سے ہوتی ہے یہ آئیڈیا یا خیال کہاں سے آتا ہے؟

اسی طرح ایک سوال یہ بھی ہے کہ ہم بھول کیوں جاتے ہیں ؟ ہمارا ایک کام کرنے کا پکا ارادہ ہوتا ہے لیکن ہم وہ کام کر نہیں پاتے ۔ ہر برے کام کا بھول جانا خدا کی طرف سے ہے اور ہر اچھے کام کو بھول جانا شیطان کی طرف سے ۔

آفتیں جیسے زلزلے، سونامی، تیز آندھیاں، زیادہ بارشیں تو کبھی قحط سالی، برفانی طوفان، آتش فشاں پھٹنا، طاعون، ڈینگی یا دیگر وبائیں کیوں آتی ہیں؟ ملحدین ہمیں ان سب کی سائنسی وجوہات بتاتے ہیں جیسے زلزلے زمین کی پلیٹوں کے سرکنے اور ٹکرانے کی وجہ سے آتے ہیں استاد محترم مفتی اسحق علیہ الرحمہ پوچھتے تھے یہ پلیٹیں ٹکراتی کیوں ہیں کون ہے جو انہیں سرکاتا ہے یا ٹکراتا ہے؟ ہوائیں کون چلاتا ہے؟ بارشیں کون برساتا ہے؟ بارشوں کی جو وجہ سائنس بتاتی ہے وہ تو ہر وقت موجود ہے لیکن بارشیں کبھی سیلاب موجب بن جاتی ہیں تو کبھی قحط سالی۔

کون ہے جس نے بے شمار مخلوقات کو ہمیں نقصان پہنچانے سے روک رکھا ہے وگرنہ تو شہد کہ مکھیاں ہی انسان کو اس زمین سے ختم کرنے کے لیے کافی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے دور نبوت میں اللہ کریم نے اپنے ایسے کئی معجزات دکھائے۔کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنی تمام مخلوقات کو ایک حد میں روک رکھا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ یہ جتنے بھی دلائل ہیں یہ ہمیں خدا کو ماننے پر مجبور نہیں کرتے نہ ہی یہ اللہ کریم کا طریقہ ہے ان سب دلائل کی اگر کوئی بالکل پروا نہ کرے تب بھی زندگی گزر جائے گی موت کے بعد کے حالات جنت و جہنم ،جزا و سزا ویسے ہی اللہ کریم نے ہم سے اوجھل رکھے ہیں۔اس کائنات کو پیدا کرنے اور چلانے اور اس میں

موجود بے شمار نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا انحصار بھی مومن و کافر ہونے پر نہیں کہ سورج صرف مومن کو روشنی دے گا کافر کو نہیں۔

جو چیز ہمیں وجود خدا ماننے پر مجبور کر دیتی ہے وہ یہ کہ دنیا میں جتنے بھی ملحدین یا نیچری موجود ہیں وہ سب اچھائی اور برائی کے قائل ہیں مطلب کچھ چیزوں کو اچھا سمجھتے ہیں اور کچھ کو برا۔ سوال یہ ہے کہ ہم خدا ماننے والوں کے نزدیک اچھائی اور برائی کا معیار اللہ کا فرمان ہے کہ جس چیز کا اللہ نے حکم دیا وہ اچھی اور جس سے روکا وہ بری۔ ملحدین ذرا بتائیں کہ ان کے نزدیک اچھائی اور برائی کا معیار کیا ہے؟ ان کے پاس ایک ہی جواب ہو گا لوگوں کی اکثریت جسے اچھا کہے وہ اچھا اور جسے برا کہے وہ برا۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا کہ حقیقی ملحد آپ کو اس

زمین پر کہیں نہیں ملے گا یہ سب لوگوں کو خدا ماننے والے ہیں۔ میں کہتا ہوں لوگ کون ہوتے ہیں میرے لیے فیصلہ کرنے والے کہ میرے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا۔

فرض کریں میں ایک جگہ سے گزرا اور دو لڑکے ایک چھوٹے بچے کو مار رہے تھے۔ میں اس بچے کی مدد کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟

1۔ کھڑے ہو کر تماشہ دیکھتا رہتا؟

2۔ پاس سے گزر جاتا؟

3۔ دو لڑکوں کے ساتھ مل کر اس بچے کو مارتا؟

4۔ چھوٹے بچے کی مدد کرتا؟

ملحدین بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟ اور ایسا کیوں کرنا چاہیے تھا؟ کوئی بھی ملحد مجھے کچھ بھی کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔ میں جو چاہتا کرتا۔ اگر کوئی ملحد بھی یہ کہ دے کہ ہاں تم جو چاہو کرو تو میرا اگلا سوال یہ ہو گا کہ یہ جو چاہو کرو والا جواب تم اس صورت بھی دو گے کہ اگر وہ چھوٹا بچہ تمہارا بیٹا ہو؟

دوسری چیز جو ہر انسان کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ خدا کا وجود مانے اور وہ ہے اس دنیا میں رہتے ہوئے ''دوسرے انسانوں سے اپنے جان، عزت و مال کا تحفظ۔''

یہ وجودِ خدا اور آخرت یعنی موت کے بعد زندگی کا عقیدہ ہی ہے جس نے لوگوں سے ہماری جان، عزت اور مال کا تحفظ کیا ہوا ہے وگرنہ تو اس زمین پر انسانوں کا رہنا جانوروں سے بھی بدتر ہوگا کہ وہاں تو فطرت کے قوانین ہیں کہ آج تک جنگل سے نہ شیر ختم ہوئے نہ ہرن۔

ملحدین اس کا جواب آجکل کے جدید قوانین ،پولیس وغیرہ کو قرار دیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ جب ہمیں یہ ڈر نہ ہو کہ کوئی ہمیں ہر وقت دیکھ رہا ہے تو جان، مال اور عزت کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں یہ پولیس، سی سی ٹی وی کیمرے ہماری حفاظت نہیں کر سکتے اور اگر نہیں یقین تو بغیر بتائے کسی انتہائی مہذب معاشرے میں رات

کے وقت الیکٹرک شٹ ڈاؤن کر کے دیکھ لیں کچھ بھی محفوظ نہیں
رہے گا جب بھی کوئی آفت جیسے زلزلہ ، سونامی وغیرہ آئی تو یہی
انتہائی مہذب لوگ کیسے جانور بنے یوٹیوب بھری پڑی ہے ان کے
کرتوتوں سے ۔ یہ خدا اور آخرت کا عقیدہ ہی ہے جو ہمارا محافظ ہے اگرچہ
ہم ایک سنسان جگہ پر اپنی جان، عزت اور مال کے ساتھ اکیلے ہوں۔
اگر کوئی یہ کہے کہ خدا کو ماننے والے بھی جرائم میں کسی سے کم نہیں
تو بالکل درست ہے کہ اکثر لوگ خود کو کسی نہ کسی مذہب سے منسوب
تو ضرور کرتے ہیں لیکن در حقیقت وہ ملحد ہی ہوتے ہیں کہ وہ بالکل
ملحدین کی طرح اپنی من مانی کرتے ہیں سوائے چند دل لگتی باتوں کو
خدا کا حکم کہہ کر مان لیتے ہیں ۔ چونکہ اس وقت دنیا میں مذہب ماننے

والوں کی اکثریت ہے اور بے جا سوالوں کے خوف سے ہر انسان خود کو کسی نہ کسی مذہب سے منسوب ضرور کرتا ہے بھلے اسے مذہب کی الف ب کا بھی پتہ نہ ہو۔

اب جب یہ واضح ہو گیا کہ خدا کو مانے بغیر چارہ ہی کوئی نہیں۔ یہ وجود باری تعالیٰ ہی کا عقیدہ ہے جو انسان کی جان، عزت اور مال کا ذمہ دار ہے تو پھر اگلا سوال یہ ہے کہ ان بے شمار مذاہب میں سے کونسا مذہب ہے جو سچا دین ہے اور جس پر عمل پیرا ہو کر مجھے **دنیا اور آخرت کی کامیابی** مل سکتی ہے۔ مذہب جب تک دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کا ضامن نہ ہو قطعاً کامل نہیں ہو سکتا۔ ایسا مذہب جو صرف موت کے بعد جنت اور نعمتوں کا وعدہ کرے اور دنیا میں ظلم

برداشت کرنے کی تلقین ،کوئی انسان ایسے مذہب کو کیونکر تسلیم کرے گا۔

دنیا کے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے جو جس گھرانے میں پیدا ہوئے اسی گھرانے کے مذہب کو اپنا لیا تو مذہب جو کہ ایک بہت بڑی منطقی حقیقت تھی اسے محض ایک وراثت تک محدود کر دیا گیا اب یہ اکثریت تو ملحدین کو خدا ماننے کی دعوت ہرگز نہیں دے سکتے کہ جنہیں خود نہیں پتہ کہ وہ اس مذہب کو کیوں مانتے ہیں۔

میں یہاں مذہب اسلام کی بات کروں گا کیوں کہ الحمد للہ میں خود ایک مسلمان ہوں لیکن میرے سوال دیگر مذاہب کے لوگوں سے بھی یہی ہیں۔ کہ وہ جس مذہب پر ہیں اسے کیوں مانتے ہیں؟

دوسرا حصہ

ہم مسلمان کیوں ہیں؟ اسی طرح ہندو، عیسائی ،بدھ مت ،یہودی اور سکھ وغیرہ خود سے پوچھیں کہ وہ خود کو اس مذہب سے منسوب کیوں کرتے ہیں ؟ اکثریت کی وجہ اس مذہبی گھر میں پیدا ہونا ہی ہوگی۔

بظاہر یہ سوال بہت ہی سادہ سا ہے لیکن اس کا جواب دینے کے لیے آپ کو بہت محنت کرنی پڑے گی

ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان اس سوال کو غیر اہم سمجھے تو میں قرآنِ کریم کی سورہ المؤمنون کی دو آیات سے آپ کو اس سوال کی اہمیت کا احساس دلاتا ہوں

وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ﴿٩٧﴾

وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ ﴿٩٨﴾

" اور تو کہہ اے میرے رب! میں شیطانوں کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے رب! میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آموجود ہوں"

سنن ابو داؤد کی حدیث 1552 میں رسول اللہ ﷺ کی دعا کا ذکر ہے اس میں موت کے وقت کا ذکر ہے

"اے اللہ! کسی مکان یا دیوار کے اپنے اوپر گرنے سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں اونچے مقام سے گر پڑنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں ڈوبنے، جل جانے اور بہت بوڑھا ہو جانے سے تیری پناہ مانگتا

ہوں۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ **موت کے وقت مجھے شیطان اچک لے**۔ اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیری راہ میں پیٹھ دکھا کر بھاگتے ہوئے مارا جاؤں اور اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ کسی زہریلے جانور کے کاٹنے سے میری موت آئے۔"

توجہاں ہمیں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے اپنے مسلمان ہونے کی وجوہات کا علم ہونا چاہیے وہیں شیطان لعین جو کہ ہمارا کھلا دشمن ہے موت کے وقت یہ ہمارے ذہنوں میں طرح طرح کے وساوس ڈالے گا تو محض یہ کہنا کہ ہم اپنے باپ دادا کی وجہ سے مسلمان ہیں ہرگز منطقی نہیں۔ شیطان کے اس کے وار سے بچنے کے لیے ہمیں پوری تیاری کرنی چاہیے۔

علاوہ ازیں ایک اور بات انتہائی قابلِ غور ہے بخاری 1338 اور مسلم 2871 کی ایک حدیث میں قبر کے سوالات کا ذکر ہے عام طور پر تمال مسلمانوں میں تین سوالات مشہور ہین تیرا رب کون ہے ؟ تیرا دین کیا ہے ؟ اور تمہارے نبی علیہ السلام کون ہیں ؟ ان روایات میں ایک اور سوال کا بھی ذکر ہے کہ تمہیں ان باتوں کا کیسے پتہ چلا تو بندہ جواب دے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لایا۔

روایات میں یہ مکالمہ بس اتنا ہی نقل ہوا ہے اللہ سے دُعا ہے کہ یہ مکالمہ بس اتنا ہی ہوکیوں کہ اگر کہیں فرشتوں نے اس سے آگے پوچھ لیا کہ قرآن کی کونسی آیت کی وجہ سے تمہیں یہ سب باتیں معلوم ہو

گئیں تو شاید مجھ سمیت کئی جدی پشتی مسلمانوں کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی۔

ایک اور بات جو انتہائی توجہ طلب ہے کہ دنیا انٹرنیٹ کی وجہ سے اب ایک گلوبل ویلیج بن چکی ہے تو ہمارا واسطہ کبھی بھی وقت ایک ملحد سے پڑ سکتا ہے جو ہمیں چند فضول سوالات کی وجہ سے الجھانے کی کوشش کر سکتا ہے اور عقیدہ وجودِ خدا کے بارے میں ہمارے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کر سکتا ہے۔

ان سب کے علاوہ بحیثیت مسلمان ہمیں اللہ عزوجل نے بھی غور و فکر کا حکم دیا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 170 میں ارشاد ربانی ہے

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ

"اور جب ان سے کہا جائے کہ پیروی کرو اس کی جو اللہ نے نازل کیا تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اور کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ تو عقل رکھتے ہوں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوں؟"

الغرض ہمارا جدی پشتی مسلمان ہونا شاید ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے کافی نہ ہو اور جس مقصد کے لیے ہم پیدا کیے گئے ہیں اسے اس قدر نظر انداز کر دینا بھی کوئی عقلمندی کی بات نہیں۔

مسلمانوں کی اکثریت بھی محض اس وجہ سے مسلمان ہے کہ ہمیں مسلمانوں کے گھر میں پیدا کر دیا گیا۔

مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونا اور جنت کا مالک بن جانا اللہ کریم جیسے عادل کی شان کے لائق نہیں کہ ایک غیر مسلم یہ کہ سکتا ہے کہ اللہ اگر مجھے بھی مسلمانوں کے گھر میں پیدا کرتا تو میں بھی ایک مسلمان ہوتا۔

ہم میں سے ہر ایک کو یہ کھوج کرنی چاہیے کہ وہ مسلمان کیوں ہے میں یہاں اپنے مسلمان ہونے کی وجوہات بیان کر رہا ہوں ۔

یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں لوگوں کے مسلمان ہونے کے لیے تین وجوہات تھیں ۔

ا۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت

اگر آپ اسلام کے شروع کے دنوں کا مطالعہ کریں تو نہ تو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کوئی معجزہ ظاہر ہوا تھا اور نہ ہی قرآن کریم کی ایسی آیات نازل ہوگئی تھیں جو لوگوں کو سوچنے پر مجبور کرتیں کہ یہ انسان کا کلام نہیں۔ اہل کتاب میں تو ایک رسول ﷺ کی آمد کی بشارت معروف تھی اور وہ لوگ اس انتظار میں بھی تھے اور جب رسول اللہ ﷺ نے دعویٰ نبوت کیا تو اہل کتاب کے چند باشعور پڑھے لکھے، غور و فکر کرنے والے لوگوں نے اپنی کتابوں میں بیان کی گئی بشارت اور نبوت کی نشانیوں کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کو

پہچانا اور اسلام قبول کیا لیکن اہل مکہ جو دین ابراہیم علیہ السلام پر تھے یا کم ازکم دعوے دار ضرور تھے ان میں ایسی کسی خبر کا وجود نہیں تھا۔

شروع کے مسلمان جن میں اہلبیت علیہم السلام اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ؓ شامل ہیں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور رسول اللہ ﷺ کی چالیس سالہ زندگی میں انتہائی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل ہونا ہی ان کے لیے محمد ابن عبداللہ کو محمد رسول اللہ ﷺ ماننے کی دلیل بنا۔

قرآن نے بھی سورہ یونس کی درج ذیل آیت 16 میں رسول اللہ ﷺ کی سابقہ زندگی کو ان کے دعویٰ کی حقانیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا

قُل لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

''کہ دو کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ قرآن نہ سناتا اور نہ تمہیں اس سے باخبر کرتا۔ میں اس سے پہلے تمہارے درمیان اک عمر گزار چکا ہوں۔کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

اسی طرح مکہ کے کافروں کا رسول اللہ ﷺ کو صادق اور امین کہنا بھی معروف ہے۔

۲۔ معجزات

رسول اللہ ﷺ کے دور کے لوگوں کے لیے دوسری بڑی وجہ معجزات تھے جو اللہ کریم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے جن میں سب سے زیادہ مشہور چاند کا دو ٹکڑے ہونا تھا اسی طرح رومیوں کے غالب ہونے کی خبر اور بھی کافی معجزات جن کا مشاہدہ صحابہ کرام اور دیگر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے کیا۔ ایک اور معجزہ جو سب سے بڑا تھا وہ عرب کے ان لوگوں میں تبدیلی تھی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ کے معجزات جو اس وقت ظاہر ہوئے اور وہ پیش گوئیاں جو بعد میں ثابت ہوئیں ان سب کو ایک کتاب میں تحریر کیا اور اس کا نام دلائل النبوۃ ﷺ رکھا۔

۳۔ قرآن الکریم

رسول اللہ ﷺ کے دور کے لوگوں کے مسلمان ہونے کی تیسری بڑی وجہ القرآن الکریم تھا لوگ اس قرآن کو سنتے جاتے اور ان کے پاس یہ ماننے کے سوا چارہ ہی کوئی نہ ہوتا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا اور انہیں اپنی زبان پر بڑا عبور تھا لیکن قرآن سننے کے بعد وہ اس جیسا کلام بنانے سے عاجز آجاتے اور تسلیم کرتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

کچھ چیزیں ان کے علاوہ بھی تھیں جو اس وقت کے لوگوں کو درپیش مشکلات کا حل تھا جن کا اس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعویٰ کیا

البتہ ان دعووں کو مان لینا کافی مشکل کام تھا جیسے رسول اللہ ﷺ نے جب دعوت اسلام دی تو فرمایا

۱۔ اللہ اس دین کو مکمل کرے گا یہاں تک کہ ایک سوار صفا صنعا تک بغیر کسی خوف کے سفر کرے گا۔ (بخاری 3596)

۲۔ کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح ہوں گے۔ (مسند احمد 18449)

۳۔ ایک وقت ہو گا کہ اتنا مال ہو گا کہ کوئی لینے والا نہیں ہو گا (بخاری 1413)

۴۔ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (بخاری 31)

ہمارے مسلمان ہونے کی وجہ کیا ہے کہ آج کے اس دور میں
ہم نہ تو رسول اللہ ﷺ کی ہستی کو دیکھ سکتے ہیں نہ ہی ہم
معجزات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں تو اب آج کے مسلمان کے پاس
اس کے مسلمان ہونے کی وجہ یا تو قرآن ہو سکتا ہے یا پھر رسول
اللہ ﷺ کے اعلانات جن میں اُن ثمرات کا ذکر ہے جو آپ
اسلام قبول کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ تمام مسلمانوں سے یہ سوال کر کے دیکھ لیں شاید ہی آپ کو ایسے
مسلمان ملیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے مذہب کو محض
وراثت کے طور پر قبول نہیں کیا بلکہ وہ اس لیے مسلمان ہیں کہ ہم
قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہیں۔

اب اگلا سوال جو پہلے والے سے بھی زیادہ مطالعہ و محنت کا طالب ہے وہ یہ کہ آپ نے کیوں اس قرآن کو اللہ کا کلام مان لیا؟ اس کے ممکنہ جوابات یہ ہوسکتے ہیں ۔

ہماری الہامی کتاب قرآن کی کوئی بھی بات سائنس سے نہیں ٹکراتی

ایک دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ اگر ہم آج کے جدی پشتی مسلمانوں سے یہ سوال کریں کہ آپ نے یہ کیسے مان لیا تو جہاں تک سائنس سے عدم ٹکراو کا تعلق ہے تو ہماری اکثریت کسی ایک آیت کا حوالہ دینے سے بھی قاصر ہوگی کہ جو بات رسول اللہ ﷺ کو اللہ کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے بتائی سائنس آج اسے تسلیم کر رہی ہے ۔

The Bible, The Qur’an and Science by Dr. Maurice Bucaille

Qur’an and Modern Science by Dr. Zakir Naik

ان دو کتابوں کا مطالعہ ہمارے نوجوانوں کو ضرور کرنا چاہیے۔

بہر حال یہ واقعی ایک بہت بڑا دعویٰ ہے اور بہت بڑی دلیل بھی ہے کہ قرآن کی کوئی آیت سائنس سے نہیں ٹکراتی دیگر مذاہب کے لوگوں کو بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا وہ بھی اپنے مذہب کی الہامی کتاب کے متعلق یہ دعویٰ کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو ضرور سوچنا چاہیے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا جس نے اس کائنات کو بنایا ہے اس کی کوئی بات غلط ثابت ہو جائے۔

قرآن کریم کا یہ معجزہ کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب سائنسی علوم نہ ہونے کے برابر تھے لوگوں کی نہ تو سوچ اس قدر وسیع تھی اور نہ ہی ان کے پاس وسائل تھے کہ وہ اردگرد کی چیزوں کے بارے میں تحقیق کر کے قرآن کی حقانیت ثابت کر سکیں۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ سائنس سے عدم ٹکراو آج سے چودہ سو سال پہلے کے لوگوں کے مسلمان ہونے کی دلیل نہیں تھی۔

یہی سوال ایک ملحد بھی ہمارے سامنے رکھ سکتا ہے اور شاید ہم اسے کوئی خاطرخواہ جواب نہ دے سکیں کیوں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو ایجادات آج موجود ہیں ان کے بغیر یہ ثابت کرنا ممکن نہیں تھا کہ قرآن سائنس سے نہیں ٹکراتا اور اس کے علاوہ ایک ملحد جان

چھڑانے کے لیے یہ خدشہ بھی ظاہر کر سکتا ہے جو ڈاکٹر ذاکر نائک کے ساتھ مناظرے میں ایک ہندو نے کیا تھا جب اس سے یہ سوال کیا گیا کہ زمین گول ہے یا نہیں تو اس نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں سائنس کی زمین گول والی تحقیق غلط ثابت ہو جائے ۔

بہر حال ایک ملحد یہ کہ سکتا ہے کہ سائنس کی بہت ساری تحقیقات بعد میں غلط ثابت ہوئیں ہیں

اور اس کے علاوہ قرآن سائنس سے نہیں ٹکراتا صرف اس وجہ سے قرآن کو مان لینا ہمارے دعویٰ کہ **قرآن آپ کو دنیا اور آخرت کی کامیابی دلا سکتا ہے** کی دلیل کیسے بن سکتا ہے ؟

آجکل کمپیوٹر اور آرٹیفشل انٹیلی جنس کی ہمارری زندگی میں بڑی اہمیت ہے اور ان چیزوں کو مسلمانوں اور غیر مسلموں نے قرآن میں تحقیق کے لیے بھی استعمال کیا ہے اور انتہائی حیران کن معلومات قرآن سے متعلق حاصل کی ہیں ۔ جیسے قرآن کے اعداد و شمار اکھٹے کیے گئے تو ڈیٹا سیکیورٹی کا معجزانہ طریقہ قرآن میں آج سے چودہ سو سال پہلے استعمال شدہ ہے کہ آپ اگر کوئی ایک حرف بھی قرآن کی عبارت سے نکالنے کی کوشش کریں تو اس کے اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں کہ اس میں کوئی تبدیلی ہو گئی ہے کیوں کہ ایسا کرنے کی صورت میں حروف 19 عدد پر پورا پورا تقسیم نہیں ہوں گے

اسی طرح اگر دیکھیں کہ قرآن میں لفظ مہینہ، دن کتنی دفعہ مستعمل

ہے تو حیران کن طور پر جواب 12 اور 365 آئے گا اسی طرح لفظ آدمی

اور عورت برابر دفعہ استعمال ہوا ہے۔ موت و حیات، ملائکہ و شیاطین،

ارض و سماء، اوپر و نیچے اور دنیا اور آخرت کے الفاظ بھی برابر برابر

استعال ہوئے ہیں۔

یہ تمام معلومات انتہائی حیران کن ہیں اور غیر مسلموں کے سامنے

ایک ٹھوس دلیل کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں کہ انسان کی بنائی

ہوئی تمام چیزیں آپ سب کے مشاہدے میں ہیں اس قدر جامعیت

کہیں نظر نہیں آئے گی اگر کوئی دعویٰ بھی کرے گا تو وہ وقتی ہو گا۔

یہ تمام معلومات اپنی تمام تر معجزانہ قوت کے باوجود ہمارے دعویٰ کو

کیسے ثابت کر سکتی ہیں مطلب ان معلومات کی بنیاد پر ہم اسلام کو

دنیا اورآخرت کی کامیابی کی ضمانت کیسے کہ سکتے ہیں۔

ایک اور دلیل جوکہ قرآن کو منزل من اللہ ثابت کرنے کے لیے

بہت ہی جامع دلیل ہے وہ یہ کہ قرآن کریم نے پانچ دفعہ یہ دعوی

کیا ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں تو تم سب

جن وانس مل کر اس قرآن جیسی کوئی کتاب لاو کتاب نہیں لا سکتے تو

دس سورتیں لے آو اگر یہ بھی نہیں کرسکتے تو ایک سورت ہی لے آؤ

مسلمانوں کی اکثریت نے اس سے مراد قرآن کی آیات لی ہیں جوکہ

عربی زبان میں نازل ہوئیں قرآن کریم عرب میں نازل ہوا اور اس

وقت کے لوگوں کو اپنی زبان پر اس قدر ناز تھا کہ وہ دیگر دنیا کے لوگوں کو عجمی کہا کرتے تھے قصیدے شعر و شاعری ان کی ثقافت کا حصہ تھا تو اللہ کریم نے قرآن کو ان کی زبان میں نازل کر کے انھیں اس جیسا بنانے سے عاجز کر دیا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ اللہ جل شانہ کا کلام ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس چیلنج سے مراد عربی زبان کی آیات لی جائیں تو یہ چیلنج محض عرب کے لوگوں تک محدود ہوا ایک غیر عرب کو اس چیلنج کی کیا اہمیت ؟

تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان چیلنجز سے مراد محض زبان نہیں تو پھر ان چیلنجز سے کیا مراد ہے کہ جو قرآن کو تمام اقوام عالم کے لیے نہ صرف ایک

معجزہ بلکہ چودہ سو سال سے دعوت مقابلہ دے رہا ہے کہ اس قرآن جیسا بنا کر لاؤ۔ وہ لوگ کہ جن کی مادری زبان عربی ہے وہ اس کلام کے منزل من اللہ ہونے کے بخوبی قائل ہیں۔ **زبان سے ہٹ کر یہ کتاب ایک قانون کی کتاب ہے جو لوگوں کو اس زمین پر پر امن زندگی گزارنے اور ان کے جان و عزت و مال کی حفاظت کے لیے قوانین دیتی ہے۔**

اللہ کریم نے جو قرآن میں چیلنج کیا کہ اس کتاب جیسی کتاب لاؤ تو دنیا بھر کے لاکھوں کروڑوں لوگوں نے ہر دور میں اللہ کریم کے اس چیلنج کو قبول کیا اور اللہ کریم کے قرآن کے مقابلے میں اپنے قوانین مرتب کیے لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد انسان کے بنائے ہوئے قوانین یا تو نا

قابلِ عمل ہو گئے یا وہ قوانین ہمیں معاشرے میں جان، مال اور
عزت کی حفاظت نہ دے سکے۔ اس چیلنج کو قبول کرنے والی کئی
اسلامی ریاستیں بھی تھیں۔ جنہوں نے خدا کے بنائے ہوئے قوانین
چھوڑ کر اپنے بنائے ہوئے قوانین لاگو کیے اور پھر کچھ ہی عرصہ میں
ترامیم کی کالک اپنے چہروں پر ملی۔

بہر حال یہ سلسلہ چودہ سو سال سے جاری ہے لوگ اللہ کریم کے چیلنج
کو قبول کرتے ہیں اور ذلت و رسوائی ایسے لوگوں کا مقدر بنتی ہے۔

ملک پاکستان کی ہی اگر مسائل لے لیں تو ہم نے بھی کافروں کی
طرح اللہ کریم کے اس چیلنج کو قبول کیا اور اپنا قانون بنایا جسے 1973 کا
قانون کہتے ہیں اس میں ہم نے اللہ کریم کے بنائے گئے قوانین کی

خلاف ورزی کی ایک مختصر سے عرصہ میں ہم اس قانون میں کافی ترامیم کر چکے ہیں اور رسوائی کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ بھلا اللہ کی بنائی ہوئی کسی چیز کا مقابلہ انسان کی بنائی ہوئی چیز کر سکتی ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہزاروں سالوں سے قابل عمل ہیں اور ان میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں چودہ سو سال پہلے اللہ کریم نے اپنے قوانین قرآن کی شکل میں خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائے اور آج تک نہ تو ان میں سے کوئی ایک شک ناقابل عمل ہوئی اور نہ ہی کسی ایک شک میں ترمیم کی ضرورت پیش آئی مگر افسوس کے آج کے جدی پشتی مسلمان نے ان سب قوانین کو چھوڑ دیا اور ان کو رائج کرنے کی کوشش ہی چھوڑ دی۔

انسان کی بنائی ہوئی ہر چیز کچھ ہی عرصہ کے بعد اپنی اہمیت کھو دیتی

ہے ۔ آپ اپنے اردگرد نظر دوڑائیں آپ کو شاید ہی کوئی ایسی چیز نظر

آئے جو انسان کی بنائی ہوئی ہو اور آج بھی قابل عمل ہو اور اس کی جگہ

اسے سے بہتر چیز نے نہ لی ہو۔ اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں فطرت ہیں

اور فطرت کو اپنی آسائشات کی خاطر چھوڑ کر ہم نے بالآخر اپنا نقصان ہی

کیا ہے ۔ ہم نے اپنے جسم کے آرام کی خاطر آسائشات کو ضروریات بنا

دیا اور دماغ کو ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے پریشانیوں کی دلدل

میں دکھیل دیا نتیجہ ان گنت عجیب و غریب قسم کی بیماریوں میں نکلا

ڈیپریشن جن میں سرفہرست ٹھہری ۔ یہ موضوع فطرت بمقابلہ سائنس

انتہائی طویل ہے ہم اس بحث میں نہیں پڑتے اور اصل مدعے کی

طرف آتے ہیں اور یہاں سے ہماری اصل گفتگو شروع ہوتی ہے کہ
کیسے اسلام ہمارے اس دعویٰ کی دلیل ہے۔

''اسلام دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے''

تیسرا حصہ

یاد رہے کہ دنیا میں جان، عزت اور مال کی حفاظت ہی ہر انسان کو خدا ماننے پر مجبور کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے تو فرماتے تھے

اسلموا تسلمو (ترجمہ) اسلام لاؤ سلامت رہو گے (بخاری 7348)

ہمارا یہ مذہب اسلام اس کا نام ہی اپنے اندر ایک جامع دعوت رکھتا ہے کہ اسلام قبول کر و اور دنیا اور آخرت کی سلامتی حاصل کرو۔

اسلام کیا ہے اور کیسے یہ دنیا اور آخرت کی سلامتی کا ضامن ہے

اگر ہم آخرت کی بات کریں تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر ہم اسلام پر عمل کریں تو یہ ہمیں قیامت کے دن اللہ عزوجل کے عتاب سے محفوظ رکھے گا اور عذابِ قبر و جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کروائے گا۔

دنیا میں کامیابی کی اگر بات کریں تو یہ کامیابی ہر مومن و کافر و ملحد کی ضرورت ہے بلکہ اسلام تو ایسا عظیم الشان مذہب جس میں جانوروں تک کے حقوق بیان کیے گئے ہیں۔

اگر ہم اسلام کے نتیجے میں حاصل ہونے والی سلامتی کو انتہائی محدود کرتے ہوئے تین چیزوں کی حفاظت کے بارے میں بات کریں جو کہ جان، عزت اور مال ہیں اور یہ ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہیں۔

اسلام نے لوگوں کی ان تینوں چیزوں کی حفاظت کیسے کی اور کیسے اسلواتسلمو کا وعدہ پورا کر دکھایا یہ جاننے کے لیے کچھ تھوڑا سا تجزیہ اسلام سے پہلے عرب معاشرے کا ضروری ہے۔

اسلام سے پہلے عربوں میں قتل و غارت عام تھی اور یہ صرف جزیرہ عرب تک محدود نہ تھی بلکہ پوری دنیا کا ہی یہی حال تھا تمام تاریخ کی کتابیں اس پر شاہد ہیں۔

ایک انسان کا قتل قبائل کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والے جنگ و جدال اور بے شمار جانوں کے ضیاع کی صورت میں نکلتا۔ اور یہ حال آج کی مہذب دنیا کا بھی ہے اکیلے امریکہ میں پچھلے دو سالوں میں اوسط 20000 لوگوں کا قتل رپورٹ ہوا۔ کچھ ملتا جلتا حال سعودی

عرب کا بھی ہے۔ آپ یقیناً سوچیں گے کہ سعودی عرب میں تو اسلام نافذ ہے تو اس کا جواب آگے آئے گا۔

انسان دوسرے انسان کو قتل کیوں کرتا ہے اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں جیسے حکومت اور وسائل کی جنگ، نسلی اور لسانی تعصب، امیر اور غریب کی آپسی نفرت ، عورت وغیرہ

قرآن نے انسانی جان کی اہمیت کو سورۃ مائدہ کی آیت 32 میں کچھ اس انداز میں بیان فرمایا ہے

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ط

’’جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔‘‘

اسلام نے اُن تمام وجوہات کا بھی بھرپور قلع قمع کیا ہے اور ایسی تمام بنیادی ضرورتوں کا جامع حل دیا ہے جو آگے جا کر کہیں انسانوں کے درمیان قتل و غارت کا سبب بن سکتی ہیں۔

حکومت

انسانی تاریخ میں لوگوں کی آپسی قتل و غارت کی سب سے بڑی وجہ حکومت رہی ہے۔ حکمران کون ہو؟ اسے کیسے چنا جائے؟۔ طاقت اور وراثت کا نتیجہ کبھی نہ ختم ہونے والی بے شمار جنگوں کی صورت میں نکلا۔

حکومت انسانی معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ حکمران کیسے چنا جائے اور وہ حکومت کیسے چلائے؟ اسلام نے اس انتہائی اہم

معاشرتی ضرورت کا خوب خیال رکھا اور ایسا نظام دیا جس نے دنیا پر امن و سلامتی اور خوشحالی کے انمٹ نقوش چھوڑے۔

چونکہ اس موضوع کو بہت زیادہ نظر انداز کیا گیا اس لیے کچھ لوگ سطحی سا علم حاصل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اسلام میں حکومت کے قیام کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں۔

یہ بات انتہائی غیر منطقی ہے آپ ذرا خود سوچیں کہ اسلام میں وراثت کے قوانین قرآن و سنت میں خوب کھول کر بیان کیے گئے ہیں ۔ وجہ کیا ہو سکتی ہے ؟ یہی کہ ایک بندے کے مرنے کے بعد اس کے لواحقین آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں ۔ ذرا سوچیے کہ ایک خاندان کے چند لوگوں کو قتل و غارت سے بچانے کے لیے قوانین

دینے والا اسلام کیا امت کو لڑائی، قتل و غارت سے بچانے کے
لیے کوئی انتظام نہ کرے گا۔ انتظام کیا ہے اور خوب کیا ہے اسی
قرآن و سنت کو فرقہ واریت کی عینک اتار کر پڑھیں گے تو ذرا سی
محنت سے بات خوب سمجھ آجائے گی۔

اسلام نے ہمیں حکمران چننے کے لیے جو طریقہ دیا وہ شوریٰ ہے
مشاورت کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سورہ ال عمران کی آیت 159
سے لگائیں جس میں اللہ کریم نے کائنات کی سب سے عظیم ہستی کو
اپنے صحابہ کے ساتھ مشاورت کا حکم دیا اور رسول اللہ کی سیرت میں
اس کی متعدد مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں جیسے غزوہ بدر کی لڑائی سے
پہلے مشورہ، بدر کے قیدیوں سے متعلق ،غزوہ احزاب میں خندق

کھودنے سے متعلق، عمال کی نامزدگی کے لیے مشاورت یہاں ایک

اور بات انتہائی قابلِ غور ہے کہ مغرب جو آج عورت کو آزادی رائے

دے کر خود کو بڑا تیس مار خاں سمجھ رہا ہے اسلام یہ کام آج سے چودہ سو

سال پہلے کر چکا ہے۔ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی

زوجہ اُم سلمہ سلام اللہ علیھا سے مشورہ لیا اور اس پر عمل کیا۔ یہ بات

انتہائی قابل غور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کن معاملات میں کن

لوگوں سے مشورہ لیا۔ عمال کی نامزدگی کے لیے ابو بکر و عمر رضی اللہ

عنہما سے مشاورت، گھریلو معاملات کے لیے علی علیہ السلام سے،

اسی طرح طائف کے محاصرے کے وقت جنگی جرنیل صحابی

سے ۔ رسول اللہ ﷺ کا مشاورت کے لیے مشیر کا چناو بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے ۔

رسول اللہ ﷺ اپنے بعد مسلمانوں کو حکمران چننے کے لیے اگر نام بتا کر جاتے کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہو گا اس کے بعد یہ، تو خلافت کی یہ ضرورت تو قیامت تک کے لیے ہے ایسی صورت حال میں ہمیں قرآن جیسی ایک کتاب اور چاہیے ہوتی جس میں ان حکمرانوں کے نام لکھے ہوتے لیکن ایسا نہیں ہوا ۔ رسول اللہ ﷺ اپنے بعد کسی ایک کو بھی خلیفہ نامزد کر کے نہیں گئے جہاں تک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے کھڑا کرنے کا تعلق ہے تو اس کا مطلب حکمرانی نہ تو انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو سمجھ آیا کہ وگرنہ وہ سعد بن عبادہ

کی بیعت کے لیے سقیفہ میں کیوں جمع ہوتے نہ ہی عمر رضی اللہ عنہ

کو کہ جب ان سے اپنے بعد حکمران نامزد کرنے کی بات کی گئی تو

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرمایا کہ آپ ﷺ اپنے بعد

کسی کو نامزد فرما کر نہیں گئے۔ سب سے بڑھ کر نہ ہی یہ امامت برابر

ہے حکمرانی والی بات خود ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سمجھ آئی وگرنہ وہ

سقیفہ میں عمر اور ابو عبیدہ ابن الجراح کا ہاتھ بیعت کے لیے کیوں پیش

کرتے۔ بالکل ویسے ہی کہ جب مولا علی علیہ السلام کو نامزد خلیفہ

ماننے والے غدیر خم والے واقعے کو جواز بنا کر پیش کرتے ہیں تو سنی

علماء اس کا ایک جواب یہ بھی دیتے ہیں کہ اس سے مراد خلافت

تھی تو پھر علی علیہ السلام نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت

کیوں کی؟ یہ بھی عرض کر دوں کہ جیسے مصلی امامت والی بات کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے حکومت کی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا بعینہ علی علیہ السلام نے غدیر خم والے واقعے کو اپنی حکومت کی دلیل کے لیے کبھی پیش نہیں کیا۔

سورہ شوریٰ کی آیت 38 میں اللہ کریم نے مومنین کی یہ پہچان بتائی کہ وہ آپس کے معاملات شوریٰ سے حل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک فرمان جو متواتر احادیث سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے وہ یہ کہ میرے بعد خلافت ہوگی پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ ایک جگہ فرمایا خلافت تیس سال ہے۔ پھر فرمایا خلافت علی منہاج النبوۃ تیس

سال ہے۔ پھر فرمایا کہ تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی

سنت لازم ہے۔

شوری کی ان آیات اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے اس کی تعلیم،

رسول اللہ ﷺ کی حکومت اور آپ ﷺ کے بعد تیس سال خلافت

علی منہاج النبوۃ ﷺ کی خبر ہی ہمارے لیے حکمران چننے اور حکومت

چلانے کا اسلامی طریقہ ہے۔

کچھ لوگ کہ دیتے ہیں کہ ان تیس سالوں میں حکمران چننے کا کوئی ایک

طریقہ متعین نہیں ارے نہیں بھائی طریقہ ایک ہی ہے امت کے

چوٹی کے لوگ چنیں گے اور باہمی مشاورت سے چنیں گے۔ امت

کے چوٹی کے لوگوں کا معیار کیا تھا۔ زہد اور تقوی یا پھر سبقت اسلام

اور ان سب سے اہم علم و عمل میں امت کے لیے عالیشان مثال۔ بنیا دیہی تھی ہاں تھوڑی بہت تبدیلی ضرور ہوئی اور اس کی وجہ بتقاضائے بشریت توکہیں مجبوری و ضرورت۔ رائے دینے میں ہر مسلمان مکمل آزاد تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ہاشمی رسول اللہ کے کفن دفن کی تیاری میں لگ گئے کہ ان کا حق تھا۔ مہاجرین صحابہ رسول اللہ ﷺ کے گھر کے باہر موجود تھے کہ انہیں خبر دی گئی کہ انصار علیہم السلام سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہیں اور بات حکومت کی چل رہی ہے خبر دینے والے نے ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا کہ وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں آپ لوگ یہیں کسی کو خلفیہ

بنا دیں لیکن مہاجرین صحابہ اس پر متفق نہ ہوئے۔ سقیفہ جا کر لمبا واقعہ ہے جو بخاری (6830) میں درج ہے اور ساری بحث کے اختتام پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ ابن الجراح کے ہاتھ بلند کیے کہ ان میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور اس کے بعد وہاں موجود سب مہاجرین و انصار نے بیعت کی ۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی اور نہ ہی انہیں اس امر پر مجبور کیا گیا۔

کیا یہ بیعت مثالی تھی؟ نہیں ۔ اس کا اظہار عمر رضی اللہ عنہ نے ممبر رسول ﷺ پر کیا جب کچھ لوگوں نے اس طرز پر بیعت کرنے کا عندیہ

دیا۔ خود عمر رضی اللہ عنہ نے اس بیعت کو ہنگامی بیعت قرار دیا

حالانکہ مشاورت میں صرف ہاشمی موجود نہیں تھے نہ صرف اس

بیعت کو ہنگامی قرار دیا بلکہ اس طرز پر بیعت کرنے کروانے والے کی

گردن اتارنے کا بھی حکم دیا مسجد نبوی ﷺ مہاجرین و انصار سے

بھری ہوئی تھی اور کسی ایک نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کے اس

فتوے کی مخالفت نہیں کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ساتھ ہی یہ بھی

واضح کیا کہ تم میں کوئی ابوبکر جیسا نہیں کہ اللہ نے ان کے فضائل کی

وجہ سے ہمیں کسی قسم کی شورش سے محفوظ رکھا۔ یوں یہ پہلی بیعت

جو کہ مہاجرین و انصار کی مشاورت سے قائم ہوئی لیکن صرف ہاشمیوں

کی عدم موجوگی کی وجہ سے ہنگامی قرار پائی۔ البتہ چھ ماہ بعد مولا علی

علیہ السلام بھی اپنا نقطہ نظر جوکہ بالکل عمر رضی اللہ عنہہ سے مماثلت

رکھتا تھا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھنے کے بعد بیعت پر آمادہ

ہوگئے اور یوں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے خوب

واقف تھے دونوں زہد و تقوی کے امام تھے سابقون الاولون میں

سے تھے دین کے لیے بے انتہا قربانیاں دی تھیں جنگیں لڑی

تھیں ماریں کھائی تھیں اسلام کی خاطر موت کا خوف برداشت کیا

تھا۔ دور نبوت ﷺ میں شیخین کو ایک خاص مقام حاصل تھا رسول

اللہ ﷺ بھی ہر اہم مہم میں ان حضرات سے مشاورت کرتے۔

یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کی خلافت میں سمع و طاعت اپنے عروج پر

تھی ۔ اگر کوئی منصف مزاج شخص اس سارے واقعے کا تفصیلی جائزہ لے گا تو وہ یہ ماننے پر مجبور ہو جائے گا کہ اس سارے سقیفہ بنی ساعدہ واقعے میں حضرات شیخین یا مہاجرین صحابہ قطعاً قابل جرح نہیں کہ اس معاملے میں خطا انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کی ہے کہ وہ سقیفہ میں جمع ہوئے انصار رسول اللہ ﷺ کے محسن تھے اور رسول اللہ ﷺ کو انصار سے خاص محبت تھی رسول اللہ ﷺ کا واضح حکم تھا کہ انصار کی خطاوں سے صرف نظر کی جائے ۔ اللہ کریم کی کروڑوں رحمتیں ہوں رسول اللہ ﷺ کے تمام اصحاب پر۔

دوسرے خلیفہ جناب عمر رضی اللہ عنہ ہیں ان کا انتخاب کیسے ہوا یہ جاننے سے پہلے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ رسول

اللہ ﷺ کے مقابل کسی کا عمل حجت نہیں چاہے کرنے والے

ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کیوں نہ ہوں ۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو

اپنے بعد خلیفہ نامزد فرما کر نہیں گئے تھے تو سنت یہی تھی کہ ابوبکر

رضی اللہ عنہ بھی اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہ فرماتے لیکن ایسا

نہیں ہوا انھوں نے اپنی زندگی میں عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا

یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ صرف نامزد کیا ہے بیعت نہیں لی ۔ اللہ

کریم کی خاص رحمت تھی ان دونوں حضرات پر کہ اللہ کریم نے

مسلمانوں کو ہر قسم کے فتنے سے محفوظ رکھا اور تمام صحابہ کرام نے

اپنی آزاد مرضی سے عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی کچھ صحابہ کرام نے

عمر رضی اللہ عنہ کے سخت رویہ کے متعلق شکایات بھی کیں لیکن

بہر حال بیعت وقوع پزیر ہوئی اور تاریخ میں کسی ایک صحابی کا قول نہیں ملتا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو ان پر مسلط کر دیا گیا بلکہ سب نے برضا ورغبت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کیا اور سمع و طاعت کا مثالی نمونہ دیکھنے کو ملا۔

جس طرح عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کو ان کی ہنگامی بیعت کے جواز کے لیے پیش کیا کہ تم میں کوئی بھی ابوبکر جیسا نہیں کہ ان کی طرف گردنیں اٹھتی تھیں ۔ میں یہ کہتا ہوں بالکل اسی طرح سے عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کو بھی عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کی وجہ سے جواز بنایا جا سکتا ہے لیکن جیسے ہنگامی بیعت بقول عمر رضی اللہ عنہ بعد والوں کے لیے قطعاً ممنوع

ہوئی اسی طرح نامزدگی کا بھی قطعاً جواز نہیں ۔ صدقے اور قربان

جائیں مولا علی علیہ السلام کے جنہوں نے ہنگامی بیعت پر بھی

اعتراض فرمایا اور اپنے بعد حسن علیہ السلام کو نامزد نہ فرما کر امت کو

اس آزمائش سے بچایا کہ نامزدگی کو ملوکیت کی دلیل بنا دیا جائے ۔

عمر رضی اللہ عنہ کو جب زخمی کیا گیا تو آپ سے درخواست کی گئی کہ

آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کریں لیکن آپ نے رسول اللہ ﷺ

کی سنت کو مقدم کرتے ہوئے اس عمل سے اعراض کیا لیکن ایک

کام آپ کو بھی کرنا پڑا اور وہ تھا بجائے امت کو رسول اللہ ﷺ کی

طرح مکمل آزاد چھوڑتے آپ نے امت کے چوٹی کے صحابہ کی

ایک مجلس شوری بنائی ان صحابہ کے دیگر فضائل کے ساتھ ایک

فضیلت یہ بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ اپنی پوری زندگی ان

اصحاب سے خوش رہے یہ عشرہ مبشرہ کے دس اصحاب میں سے چھ

تھے ابوبکر وابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہما اللہ کی جنتوں میں پہنچ

چکے تھے سعید ابن زید رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ نے اس

شوری میں شامل نہیں فرمایا۔اب یہ شوری کی تخصیص بھی رسول

اللہ ﷺ کے طریقے سے ہٹ کر تھی لیکن ایسا کرنے کی مجبوری

بھی عمر رضی اللہ عنہ نے خود ہی ممبر پر بیان فرمائی کہ ایسے لوگ اس

امر میں طمع کریں گے جنہیں میں نے اپنے ان ہاتھوں سے مار مار کر

اسلام میں داخل کیا۔ مسلم (567) اس مجبوری کے علاوہ یہ چھ

حضرات بھی ان فضائل و مناقب کے حامل تھے کہ ان کو شوری میں

شامل کر کے اس امر کو بجائے عوام الناس کے ہاتھوں میں دے

کر جمہوریت کی طرح اس انتہائی اہم امر کو ایک کھیل تماشہ بنایا جائے ۔

اہل حل و عقد کی یہ تخصیص بھی امت پر عمر رضی اللہ عنہ کا ایک

بہت بڑا احسان ہے ۔کہ کروڑوں لوگوں سے مشاورت کی کوئی

ضرورت نہیں مشورہ صرف ان سے لیا جائے جو اس کا اہل ہے ۔

اور اہلیت کا معیار جیسے میں نے اوپر بیان کیا زہد و تقوی ، علم و عمل

ہے ۔

ان چھ اصحاب میں سے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ موقع پر

موجود نہیں بقیہ پانچ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا اور یوں

تیسرے خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل ہوئی ۔ ایک سانحہ

اس بیعت کے عمل کے دوران یہ ہوا کہ جب عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے عثمان و علی رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ دونوں میں سے کوئی دوسرے کے حق میں دستبردار ہوتا ہے تو دونوں نے خاموشی اختیار کی گویا دونوں نے خلیفہ بننے کی خواہش ظاہر کی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کام یعنی حکمرانی کی خواہش سے منع فرمایا تھا۔ (بخاری 3700)

رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی امت کو فتنوں سے روکنے والا ایک مضبوط دروازہ فرمایا اور جب یہ دروازہ توڑ دیا گیا تو پھر فتنے آنے شروع ہو گئے عثمان رضی اللہ عنہ نہ تو عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت منتظم تھے اور نہ ہی لوگوں میں سمع و طاعت کا وہ معیار رہا

جو شیخین رضی اللہ عنہما کے دور میں تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے لیے سب سے بڑی آزمائش ثابت ہوئی ۔

مدینہ بلوائیوں کے قبضے میں ہے مہاجرین و انصار صحابہ اپنے اپنے گھروں میں موجود ہیں کوئی اس امت کی باگ ڈور سنبھالنے کو تیار نہیں

ہم بلوائیوں کو بہت برے لوگ مانتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نصیحت و حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خلیفہ راشد کے امور پر صبر کرنے کی بجائے شورش بپا کی گورنر سے متعلق شکایت ان کا حق تھا لیکن خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی فیصلے پر مجبور کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی مخالفت تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی نصیحت صبر کرنے کی تھی لیکن انہوں نے صبر کا دامن چھوڑ کر امت کو ایک بہت بڑے فتنے میں مبتلا کر دیا ۔ علی علیہ السلام تو ویسے ہی خلیفہ منتخب ہو چکے تھے کہ شوری کے ان چھ حضرات میں سے بات عثمان رضی اللہ عنہ اور علی علیہ السلام کے درمیان آکر رکی تھی ۔ ان بلوائیوں کا مولا علی علیہ السلام کو بیعت کے لیے چننا بہرحال ان کا امت پر احسان بھی تھا کچھ لوگ یہاں حد سے گزرتے ہیں اور بلوائیوں کو یہودی ایجنٹ اور پتہ نہیں کیا کچھ کہتے ہیں لیکن یہ قطعاً حقیقت نہیں ۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک جتھہ بنا کر مدینہ پر حملہ آور ہونا اور عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں محصور کرنا اور اسی دوران ان کی شہادت ، شہید کس نے کیا یہ فیصلہ کل بروز

قیامت ہو گا لیکن بلوائیوں کی غلطی کی وجہ سے الزام انہی پر لگا۔ یہ بہت بڑے جرائم ہیں لیکن امت کے لیے مولا علی علیہ السلام جیسے حاکم کی بیعت کرنا بہر حال بہت بڑا احسان بھی ہے۔ کہ اگر یہ لوگ یہودی ایجنٹ ہوتے تو کسی اور کو یا خود حکمران بن بیٹھتے۔

مولا علی علیہ السلام کو جب بیعت کے لیے کہا گیا تو آپ نے پہلے تو معذوری ظاہر فرمائی لیکن جب اصرار کیا گیا تو آپ نے مسجد نبوی ﷺ میں مہاجرین و انصار صحابہ کے اکٹھ کی خواہش ظاہر کی کہ اگر انہوں نے بیعت کی تو میں قبول کروں گا۔ اور یوں چوتھے خلیفہ مولا علی علیہ السلام کی بیعت وقوع پزیر ہوئی ۔ ویسے تو یہ بیعت انتہائی مثالی تھی کہ نہ شوری تھی نہ نامزدگی ۔ لیکن بلوائیوں کی موجودگی نے

اس بیعت پر بھی لوگوں کو بات کرنے کا موقع دے دیا۔ ان بلوائیوں کا کردار بڑا ہی عجیب و غیریب ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں یہی لوگ سب سے برے ہیں ان کی بے صبری بہت بڑا گناہ لیکن علی علیہ السلام کے دور میں یہی لوگ ہر کام میں علی علیہ السلام کے ساتھ، سمع و طاعت کا سب سے بڑا امتحان جنگ میں ہوتا ہے لیکن مولا علی علیہ السلام جمل و صفین و نہروان میں گئے تو یہی بلوائی ساتھ ساتھ ہیں ۔ مولا علی علیہ السلام کے عمر کے آخری حصے میں یہ لوگ ڈھیلے پڑ گئے لیکن مولا علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد پھر یہی بلوائی حسن علیہ السلام کے لشکر میں ہیں جب وہ شامیوں کے خلاف نکلے ۔

مولا علی علیہ السلام کو جب زخمی کیا گیا تو لوگوں نے حسن علیہ السلام کی نامزدگی کا مشورہ دیا لیکن مولا علی علیہ السلام نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں جیتے جی بھی تمہارا بوجھ اٹھاوں اور مرنے کے بعد بھی۔ اگر اللہ نے چاہا تو کوئی نیک تمہارا حکمران بنے گا اور اگر اس کا ارادہ تمہاری آزمائش کا ہوا تو پھر کوئی برا۔

رسول اللہ ﷺ اس اُمت کے پہلے حکمران تھے آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی اور نے حکمران بننے کی خواہش تک نہ کی آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا تیس سالہ دور ہے اور اس میں یہ اقتدار پانچ لوگوں میں منتقل ہوا لیکن کوئی قتل و غارت نہیں ہوئی۔ جہاں تک جمل اور صفین کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ کے

اصحاب اپنے بے شمار فضائل کے باوجود بہرحال انسان ہی تھے

قدوس یعنی غلطی سے مکمل پاک ذات صرف اور صرف اللہ کریم کی

ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو لے کر امت میں دو متشدد گروہ

وجود میں آئے ایک نے انہیں فرشتے بنا دیا اور دوسرے نے

انہیں مسلمان محض تکلفاً ہی مانا۔ ہمیں اللہ کریم سے ہر وقت عافیت

کی دعا کرتے رہنا چاہیے کہ فتنوں کی جب ہوا چلتی ہے تو کئی مخلص

مسلمان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے جنگ جمل کی

حقیقت یہی ہے اماں عائشہ صدیقہ، طلحہ وزبیر علیہم السلام جیسے لوگ

بھی خلیفہ راشد مولا علی علیہ السلام کی اطاعت کرنے کی بجائے خود

لشکر لے کر عثمان علیہ السلام کا قصاص لینے نکل پڑے۔ ساتھ ہی

معاویہ نے بجائے خلیفہ راشد مولا علی علیہ السلام کی بیعت کرنے کے شام میں اپنی الگ حکومت قائم کرلی۔ اللہ کریم کی کروڑوں رحمتیں ہوں حسن ابن علی علیہم السلام پر جن کی عظیم قربانی نے اس دعوی قصاص کی قلعی کھول دی۔ بلوائی کافر ہرگز نہ تھے لیکن خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مدینے میں جتھہ بنا کر آنا اور عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں محصور کرنا ان کی بہت بڑی غلطی تھی عثمان رضی اللہ عنہ کسی گورنر کو معزول کرتے یا نہیں یہ ان کا مکمل حق تھا انہیں کسی امر پر مجبور کرنا سخت خطا تھی۔ بالکل اسی طرح سے مولا علی علیہ السلام سے قصاص کا مطالبہ کرنا تو یقیناً حق تھا لیکن خود قصاص کے لیے نکلنا سخت خطا تھی۔ لوگوں کو ان بحثوں میں اس قدر

الجھا دیا جاتا ہے کہ وہ ان جنگوں کے بعد ہونے والے اصل نقصان

کی طرف توجہ ہی نہیں کر پاتے کہ جو حکومت اہل حل و عقد مسلمانوں

کی مشاورت سے بننی تھی اسے وراثت بنا دیا گیا۔ اور جس ملوکیت کو

روم و ایران سے ختم کرنے کے لیے صحابہ کرام نے بے شمار

قربانیاں دی تھیں اسی ملوکیت کو مسلمانوں میں رائج کر دیا گیا اور

افسوس کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں سے

روگردانی کی اور مسلمان آپس کی جنگوں کا شکار ہوئے۔

خلافت علی منہاج النبوۃ ﷺ اور ملوکیت کے قیام میں فرق

رسول اللہ ﷺ کی طرز پر حکومت صرف تیس سال تھی اس کے بعد ملوکیت ہوگئ آج کا مسلمان شخصیات کے دفاع کے چکر میں اسلام کی بربادی کے درپے ہے۔ اگر ملوکیت بھی اسلام ہے تو پھر اسلام کا نام کچھ اور رکھ دینا چاہیے کیونکہ ملوکیت میں سلامتی نہیں ہے۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ کرلیں جنگیں اور سازشیں ملوکیت کا شاخسانہ ہیں۔

خلافت اور ملوکیت کا لفظی معنی تو حکومت ہی ہے لیکن بطور اصطلاح ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

خلافت علی منہاج النبوۃ ﷺ کا عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا دور حکومت ہے جس میں مشاورت کو ایک بنیاد کی حیثیت حاصل رہی ۔ ابوبکر صدیق، عمر فاروق ، عثمان، علی و حسن علیہم السلام کی حکومتیں مہاجرین و انصار کی مشاورت سے قائم ہوئیں ۔ ان حکومتوں کے قیام میں نہ تو طاقت کا استعمال ہے نہ خاندانی اثر و رسوخ کا نہ مال و دولت اور عہدے کا لالچ ۔ لوگوں نے اپنی مکمل آزاد مرضی سے ان خلفا کی بیعت کی ۔ ابوبکر صدیق اور حسن علیہم السلام کی حکومت کے قیام میں مماثلت یہ ہے کہ دونوں حکومتیں ہنگامی بنیادوں پر قائم ہوئیں اس لیے مشاورت کا حق صحیح طور پر ادا نہ کیا جا سکا ۔ ابوبکر صدیق علیہ السلام کی حکومت ہاشمیوں کی

مشاورت کے بغیر قائم ہوئی تو حسن علیہ السلام کی حکومت اس وقت کوفہ میں موجود اہل حل و عقد کی مشاورت سے قائم ہوئی۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس میں مہاجرین و انصار کی کثیر تعداد موجود نہیں تھی تو جیسے عثمان علیہ السلام کی حکومت سعد ابن ابی وقاص علیہ السلام کی غیر موجودگی میں جائز ہے ایسے ہی حسن علیہ السلام کی حکومت پر یہ اعتراض بے معنی ہے یہ اعتراض اہل حل و عقد صحابہ پر آتا ہے کہ وہ خلیفہ راشد مولا علی علیہ السلام کے ساتھ کیوں نہیں تھے؟ ان سب دلائل سے قطع نظر ابوبکر صدیق علیہ السلام سے لے کر حسن علیہ السلام تک کی حکومتیں اس لیے حق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان حکومتوں کو علی منہاج النبوۃ ﷺ فرمایا۔ ایک شوری اور دوسری

رسول اللہ ﷺ کی علی منہاج النبوۃ ﷺ کی مہران تیس سالوں کی اسلامی حکومت کو قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے حجت بناتے ہیں۔ ان کے بعد کی حکومتوں کو یہ خصائص حاصل نہیں تھے الاماشاءاللہ ۔ عمر ابن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی حکومت بھی قیام و طرز حکمرانی کے اعتبار سے مماثلت رکھتی ہے۔

خلافت علی منہاج النبوۃ ﷺ اور ملوکیت کے طرز حکومت میں فرق

ان حکومتوں کو چلانے میں ایک خصوصیت جو تیس سالہ دور میں حکمرانوں کو حاصل ہے وہ یہ کہ لوگ حق بات کہنے میں ذرا بھی خوفزدہ نہیں ۔لوگ اپنی رائے رکھنے اور اس کا اظہار کرنے میں مکمل آزاد تھے ۔ یہ آزادی بعد میں بتدریج ختم کردی گئی۔

خلافت علی منہاج النبوۃ ﷺ میں عدل ایسا تھا کہ حاکم وقت کو کٹہرے میں لایا جا سکتا تھا آزادی ایسی تھی کہ لوگ حاکم وقت سے کھلم کھلا اختلاف کرتے تھے اور انہیں کوئی ڈر نہیں ہوتا تھا اس معاملے میں مغیث اور بریرہ کا واقعہ پڑھنے کے لائق کہ ایک عورت وہ بھی لونڈی اور عرب معاشرے میں حاکم وقت رسول اللہ ﷺ کی ذاتی رائے کو نہیں مانتی۔ اللہ اکبر یہ بات لکھ دینا، پڑھ لینا آسان لیکن اسے آج کے اس طرز حکمرانی کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھنا کہ آج ایک معمولی عہدے دار سے مخالفت کی ہم جراءت نہیں کرتے کہ وہ اسے ذاتیات کا مسئلہ بنا لے گا۔

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین نے بحیثیت حکمران انتہائی

مشکل زندگیاں گزاریں فاقے کیے ہر معاملے میں دوسروں کو خود پر

ترجیح دی لیکن دور نبوت ﷺ اور خلافت علی منہاج النبوۃ ﷺ

کے بعد بتدریج یہ حکمرانی عیاشی کا استعارہ بن چکی ہے۔ قیصر وکسریٰ

جیسے محلات، لا الہ الا اللہ پڑھنے والے غلاموں لونڈیوں کی فوجیں،

احتساب صرف مخالفین کا وغیرہ وغیرہ

الغرض اسلام میں جو نیکی انتہائی مشکل تھی اور جس کا اجر اللہ کے

ہاں سب سے زیادہ ہے یعنی عادل حاکم، اسے اب بچوں کا کھیل بنا

دیا گیا۔ جنگوں کی صورت میں جس برتاو کو رسول اللہ ﷺ نے

کافروں کے لیے نہیں فرمایا بادشاہوں نے اس سے بدتر سلوک

مسلمان مفتوحین کے ساتھ کیا۔ سر نیزوں پر بلند کیے گئے، لاشیں
جلائی گئیں، چوک چوراہوں میں لٹکائی گئیں ۔ عورتوں بچوں کو قیدی بنایا
گیا۔ ہائے افسوس کہ کافروں سے جنگ میں وہ جنگی قوانین، قیدیوں
کے ساتھ جو برتاو اسلام کے پوری دنیا پر غالب ہونے کا سبب بنا نام
نہاد مسلمانوں نے اسے یکسر فراموش کر دیا اور پھر وہی قیصر و کسرائیت
کو رائج کر دیا۔ ابھی کل ہی کی تو بات تھی مولا علی علیہ السلام نے
جمل و صفین میں اپنے عمل سے دکھایا کہ مسلمان فاتح مسلمان
مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ نہ مال غنیمت، نہ لونڈی
غلام، نہ بھاگنے والے کا پیچھا کرنا، نہ لاشوں کی بے حرمتی۔ افسوس
صد افسوس مسلمان یہ تعلیم بہت جلد بھول گئے۔ حسین علیہ السلام

کی قربانی سمجھنے کے لیے خلافت علی منہاج النبوۃ ﷺ اور بعد کی حکومتوں کا فرق جاننا بہت ضروری ہے۔

اسلام نے ملوکیت کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں مطلب حاکم کے بعد اس کا بڑا بیٹا حاکم بننا تو کجا اسلام نے کسی ایک خاندان کو بھی یہ حق نہیں دیا کہ وہ لوگوں کو اپنا غلام بنائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا تعلق بنو ہاشم اور آپ ﷺ کے بعد پہلے خلیفہ ابوبکر صدیق بنوں تیم سے، عمر فاروق بنوں عدی سے، عثمان بن عفان بنوں اُمیہ سے اور علی ابن ابو طالب بنوں ہاشم سے ان کے بعد حسن ابن علی کا خلیفہ منتخب ہونا بھی محض اس وجہ سے ہرگز نہیں کہ وہ علی ابن ابو طالب کے بیٹے تھے بلکہ

انہیں بھی باہم مشاورت سے خلیفہ منتخب کیا گیا۔ سلام اللہ علیہم اجمعین۔

پتہ یہ چلا کہ اسلام میں حاکم چننے کا معیار نہ تو خاندان تھا نہ مال و دولت بلکہ صرف اور صرف تقویٰ کیوں کہ یہ تمام خلفائے راشدین سابقون الاولون میں سے تھے اور حسن علیہ السلام کے فضائل رسول اللہ ﷺ نے بہت زیادہ بیان فرمائے تھے اور پھر یہ اپنے پیش رو خلفاء کی طرح زہد کے امام تھے۔

یہ موضوع انتہائی اہم ہے اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ سب سے زیادہ اسی موضوع کو نظر انداز کیا گیا کروڑوں رحمتیں ہوں اللہ کریم کی اور لاکھوں اور کروڑوں سلام ہوں حسین علیہ السلام اور ان کے

اصحاب پر جنھوں نے کربلا کے مقام پر عظیم قربانیاں پیش کر کے
رسول اللہ ﷺ کے نظام حکومت کو ملوکیت سے الگ کیا۔ اسی
طرح عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی یزید کی بیعت سے انکار
کیا۔ کچھ لوگ یہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یزید کی حکومت بھی
مشاورت سے قائم ہوئی۔ ان کی نفی خود بنوں امیہ کی تقریباً سو سالہ
حکومت کرتی ہے جس میں حکومت کی اہلیت کا معیار بادشاہ کا بڑا بیٹا
ہونا رہا۔

آج کے ہمارے دور میں مولانا مودودی اور مفتی اسحق پر اللہ کی رحمتیں
ہوں جنھوں نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حکومت اور خلفائے راشدین
کی حکومت کے متعلق بتایا۔

خلافت علی منہاج النبوۃ ﷺ اور جمہوریت میں فرق

مشاورت کا یہ عمل آج کل دُنیا کے اکثر ممالک میں رائج ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اب حکومت کی خاطر لڑائیاں کافی حد تک کم ہوئیں ہیں مغرب کی اس جمہوریت اور اسلام کی شوریٰ میں بہرحال بہت زیادہ فرق ہے۔ اسلام بھی مغربی جمہوریت کی طرح ہر شخص کو رائے دینے کا مکمل اختیار دیتا ہے۔ لیکن فیصلے کا انحصار مغربی جمہوریت کی طرح محض لوگوں کی تعداد پر نہیں ہوتا بلکہ اس بات کو بھی خاطر میں لایا جاتا ہے کہ مشورہ دینے والا کون ایک عالم اور جاہل کا فرق، ایک متقی اور گناہگار کا فرق وغیرہ وغیرہ اسی طرح رائے کا اصل وزن اس کی دلیل کی بنیاد پر کیا جاتا ہے اور دلیل قرآن و سنت ہے اسلامی

تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ جب اکثریت کی رائے رد کر کے ایک بندے کی رائے کو محض اس بنیاد پر قبول کیا گیا کہ ان کے پاس قرآن و سنت کی دلیل تھی۔

اسی طرح ایک اور بہت بڑا فرق جو مسلمان حکومت کو کافروں سے ممتاز کرتا ہے وہ یہ کہ اسلام میں کوئی شخص حکومت حاصل کرنے کی خواہش نہیں کر سکتا اس بات کو اسلام میں سختی سے منع کیا گیا جب خواہش ہی ایک ممنوع فعل ہے تو لوگوں کو عہدوں اور مال کا لالچ جھوٹ پر مبنی بلند و بانگ دعوے کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ افسوس کہ آج کے مسلمان بجائے اس کے کہ اپنے اسلاف کی سیرت کو اپناتے ہوئے اس امر کے لیے خود پر دوسروں کو ترجیح دیتے سبھی خود

اسے حاصل کرنے کی دوڑ میں لگ گئے اور اس کی وجہ بھی سب ہی جانتے ہیں کہ

آج بھی اگر اسلامی طرز حکومت کو اپنا یا جائے اور وہ لوگ جو علم ، زہد و تقویٰ کی خصوصیات سے متصف ہیں آزادانہ مرضی بغیر عہدے اور مال و دولت کے لالچ کے کسی عالم وزاہد و متقی کو اپنا حاکم منتخب کریں تو ہمیں اسلام کے وہی ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں جو دور نبوت ﷺ و خلافت علی منہاج النبوۃ ﷺ میں عوام الناس کو حاصل ہوئے تھے۔

آج بھی جو ممالک جمہوریت کے دعوے دار ہیں کون نہیں جانتا کہ ان کی کمپین کو چلانے والے امیر لوگ حاکموں سے کیا کیا ذاتی فوائد

حاصل کرتے ہیں ۔ جب کہ اسلام میں حاکم کا بنیادی مقصد اللہ کی

رضا ہے عوامی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھتا ہے اور عدل کے معاملے

میں اپنے بیوی ،بچوں قریبی رشتہ داروں اور دوستوں یا معاشرے کے

بڑے سے بڑے لوگوں کو کوئی رعایت نہیں دیتا۔ اسلامی نظام

حکومت میں کوئی بڑے بڑے عہدے نہیں ہیں جیسے چیف جسٹس،

آرمی چیف، آئی جی پولیس اور کمشنر وغیرہ کہ جن کی مراعات اس قدر

زیادہ ہوں کہ انسان میں نمرود و فرعون اور قارون کی خصوصیات پیدا کر

دیں ۔ اسلام میں حاکم صرف ان لوگوں کو سرکاری عہدوں کا اہل

سمجھتا ہے جنھوں نے اپنی زندگیاں اللہ کے دین کے لیے وقف کر

دی ہیں زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی اور تقوی یعنی اللہ کا ڈر اور محبت

جن کے ماتھے کا جھومر ہو۔ عاجزی ان کا شعار ہو عدل کے معاملے

میں کسی بڑے سے بڑے سے بھی مرعوب نہ ہوں۔

حکومت حاصل کر لینے کے بعد ہر حاکم اپنی سلطنت میں اضافہ چاہتا

ہے اور اس مقصد کی خاطر آدم علیہ السلام کی اولاد نے ایک

دوسرے کا خوب خون بہایا ظلم کی ایسی داستانیں رقم کیں کہ جنگلی

درندے بھی انہیں سن کر شرما جائیں۔

اسلامی حکومت بھی پوری دنیا کو فتح کرنا اپنا نصب العین سمجھتی ہے

لیکن بہر حال بنیادی مقاصد میں فرق ضرور ہے اسلامی حکومت کا

بنیادی مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے مطلب اللہ کی زمین پر اللہ کا

قانون۔ خیبر جب فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین انہی

یہودیوں کو کاشت کے لیے دی کیونکہ مقصد لوگوں کا قتل، ان کی عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنانا نہیں تھا بلکہ تمام انسانوں کو اللہ کے قانون کے نیچے لانا تھا۔

اسلام نے ایسے جنگی قوانین دیے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں عرب فتح ہوا اور خلفائے راشدین کے دور میں روم و ایران ۔ ان فتوحات کے ایک لمبے عرصہ تک آپ کو کسی علاقے میں بغاوت سننے کو بھی نہیں ملتی تھی۔ الا ماشاءاللہ

رسول اللہ ﷺ سے پہلے بادشاہ جب کسی علاقے پر قبضہ کرتے تو بے پناہ قتل کرتے، سولی اور سر کاٹ کر شہر کے چوراہوں میں نیزوں پر لٹکانے کا تو جیسے ایک رواج تھا۔

عورتوں کی عصمت دری ان گنت فوجیوں کے ذریعے، بچوں بوڑھوں کا قتل وغیرہ وغیرہ

اسلام بھی پوری دنیا پر غالب آیا اور اب کچھ اسلام دشمنوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے حالانکہ اگر آج بھی کوئی منصف مزاج پوری انسانی تاریخ کا مطالعہ کرے تو یہ ضرور مانے گا کہ سب سے کم قتل کے ساتھ فتوحات صرف اور صرف اسلامی دور میں ہوئی ہیں اور وہ دور رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کا ہے۔

مسلم حاکم جب کسی قوم پر حملہ آور ہوتے تو تین شرائط ان کے سامنے رکھتے پہلی اسلام قبول کر لو تم ہمارے بھائی بن جاو گے تمہاری جانیں، عزتیں اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ اگر نہیں تو جزیہ ادا کرو

تمہاری حفاظت ہماری ذمہ داری ہوگی۔ اگر یہ بھی نہیں تو پھر لڑنے کے لیے تیار ہو جاو۔

کتنے ہی ایسے علاقے تھے جنہوں نے پہلی شرط مان لی اور مسلمان ہو گئے جیسے جزیرہ عرب رسول اللہ ﷺ نے ان کے کسی ایک شخص کو قتل نہیں کیا لونڈی غلام نہیں بنایا ان کا مال نہیں چھینا اپنا ایک نمائندہ ان کے پاس بھیجا جو انہیں اسلام کی تبلیغ کرتا اور ان کے مال سے زکوۃ صدقات وغیرہ لے کر انہی کے غریب لوگوں پر خرچ کرتا۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زیادہ تر علاقوں میں بادشاہت تھی اور دو طبقے تھے ایک مراعات یافتہ اور دوسرا انتہائی کسمپرسی کی حالت میں اپنی زندگی گزار رہا تھا۔ اور اکثریت بھی انہی لوگوں کی تھی

جب ان لوگوں نے اسلامی نظام دیکھا تو یہ لوگ اپنے بادشاہوں سے باغی ہوئے اور اپنے حقوق کی خاطر اسلام کو دل سے قبول کرنے والے بنے۔

اگر کوئی علاقہ دوسری شرط تسلیم کرتا تو انہیں مکمل مذہبی آزادی دی جاتی ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جاتی اور جان، عزت اور مال کی بھی۔

اگر کوئی لڑائی کے لیے نکلتا تو پھر جنگ ہوتی اور اس میں لڑنے والوں کو قتل کیا جاتا اور جب لوگ پسپائی اختیار کرتے تو پھر انہیں قیدی بنایا جاتا ان کا مال سارا چھین لیا جاتا۔ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے

قتل کی ممانعت تو حالت جنگ میں بھی تھی کہ وہ جنگیں صرف جوان
ہی لڑ سکتے تھے۔

فتح کے بعد قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا وہ اس سے پہلے دنیا
نے نہیں دیکھا تھا عورتوں اور مرد قیدیوں کو حاکم تقسیم کرتا اور جس مجاہد
کے حصے میں جو لونڈی یا غلام آتا اسے اس کے ساتھ انتہائی نیک
سلوک کرنے کا حکم دیا جاتا۔ تو پہلے جیسے ایک ایک عورت کی عزت
بے شمار فوجی تار تار کرتے تھے اسلام نے اسے یکسر ختم کر دیا۔
لونڈیوں کو خرید کر ان کو لوگوں کی جنسی ضروریات پوری کرنے کے لیے
کچھ وقت کے لیے بیچنا یہ ظلم بھی اسلام نے مکمل ختم کر دیا۔

”حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے، سو جو تم خود کھاتے ہو اُنہیں بھی وہی کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو اُنہیں بھی وہی پہناؤ۔ اُنہیں اُن کی طاقت سے بڑھ کر کسی کام کا مکلف نہ ٹھہراؤ اور اگر ایسا کوئی کام اُن کے ذمہ لگاؤ تو اُس کام میں خود بھی اُن کی مدد کرو۔“ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

”حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو چابک سے مار رہا تھا کہ اچانک میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی، اے ابو مسعود! جان لو! میں غصے کی وجہ سے اُس آواز کو

پہچان نہ سکا۔ جب وہ (آواز دینے والا) میرے قریب ہوا تو میں نے
پہچانا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور آپ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: اے ابو مسعود! جان لو، اے ابو مسعود!
جان لو، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے
اپنے ہاتھ سے چابک پھینک دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا: اے ابو مسعود! جان لو کہ جتنا تم اِس غلام پر قادر ہو اللہ تعالیٰ تم پر
اُس سے زیادہ قادر ہے۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ میں نے عرض کیا: میں آئندہ کسی غلام کو کبھی بھی نہیں ماروں
گا۔''

اِس حدیث کو امام مسلم، ترمذی اور ابو داود نے روایت کیا ہے۔

ابو داود کی ایک روایت میں ہے: ''(حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:) میں عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! یہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو آگ تمہیں چمٹ جاتی یا فرمایا: آگ تم سے لپٹ جاتی۔''

یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تھیں جن کی وجہ سے اسلام لوگوں کے دلوں میں داخل ہو گیا۔ غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ ایسے برتاو کی مثال آپ کو دنیا کے کسی اور مذہب یا نظام میں نہیں ملے گی۔

ایک انسان کا دوسرے انسان کو قتل کرنا

حکومت اور وسائل کی جنگوں کے علاوہ اگر کوئی انسان ذاتی حیثیت میں کس دوسرے انسان کو قتل کر دے تو پہلے تو قرآن نے اسے

اس قبیح فعل سے بچنے کے لیے سورۃ النساء کی آیت 93 میں درج

ذیل وعید سنائی اور آپ کو پورے قرآن میں شاید ہی اتنے سخت الفاظ

مشرک کے علاوہ کسی اور کے لیے ملیں۔

وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیۡھَا

وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا

''اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے

جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اسے اللہ

تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا

ہے''۔

اسی طرح سورۃ مائدہ ہی کی آیت 92 میں یہ قانون بھی موجود ہے کہ اگر قتل غلطی سے ہو تو اس کی کیا سزا ہوگی۔

اسلام میں عقیدہ آخرت بنیادی عقائد میں سے ایک ہے کہ ہم مرکر دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور اپنے اعمال کے جوابدہ ہوں گے یہ عقیدہ بھی ہماری اس دنیوی زندگی پر جان کی حفاظت کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ اگر کوئی کسی ایک کو قتل کر دے تو ہم اسے سزائے موت دے سکتے ہیں لیکن اگر وہ سینکڑوں ، ہزاروں کو قتل کر دے تو اس کی سزا اس دنیا میں ممکن نہیں۔

جان بوجھ کر قتل کرنے والے کے لیے سزائے موت ہی اکیلا قانون نہیں بلکہ اسلام نے مقتول کے ورثاء کو تین اختیارات دیے ان میں سے کوئی ایک قبول کر لیں ۔

پہلا یہ کہ قتل کے بدلے اسی شخص کو قتل کر دے اور یہ کام بھی باقائدہ حکومت کے متعین کردہ قاضی اور گواہوں کی گواہی کے بعد ہو گا۔ دوسرا یہ کہ دیت میں یعنی خون بہا کی صورت میں سو اونٹ یا ان کی قیمت وصول کر لے اور تیسرا یہ کہ مقتول کو اللہ کی رضا کی خاطر معاف کر دے۔ اس کے علاوہ کوئی راہ نہیں ۔ قتل جو کہ قبائل کے درمیان نہ ختم ہونے والی جنگوں کا پیش خیمہ ہوتے اور جس کے نتیجے میں بسا اوقات سینکڑوں لوگ لقمہ اجل بنتے اسلام نے ایسا جامع

قانون دیا کہ اتنا سنگین معاملہ نسلوں کی دشمنی تک چلنے کی بجائے وہیں ختم ہوگیا۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ قوانین تو مسلمان کے قتل کے لیے ہیں اگر کوئی کافر کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہ کرنا عدالت نہیں۔

سب سے پہلا جواب تو یہ ہے کہ اوپر سورۃ المائدہ کی آیت 32 میں جس وعید کا ذکر ہے اس میں مذہب کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ کسی بھی انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے دوسرا اگر کوئی واقعی مسلمان ہے مطلب محض جدی پشتی مسلمانی کا لیبل نہیں لگایا ہوا بلکہ سوچ سمجھ کر علم حاصل کر کے مسلمان ہوا تو وہ انسان

تو دور کی بات کسی جانور کو بھی بلا وجہ قتل نہیں کرے گا۔ کیوں کہ
اسے یقینی طور پر علم ہو گا کہ انسان کی کی جان کی قیمت ہے اور وہ یہ
بھی جانتا ہو گا کہ ایک عورت کو محض اس وجہ سے جہنم میں پھینکا
جائے گا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ کر رکھا تھا اور وہ بلی بھوک سے
مر گئی اور ایک شخص کو محض اس وجہ سے بخش دیا جائے گا کہ اس
نے ایک پیاسے کتے کو اپنے موزے میں پانی پلایا ہو
گا۔ (بخاری۔173، 2364)۔

اس کے علاوہ اسلام میں یہ قانون ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر کو
قتل کرے گا تو اسے اس کی دیت ادا کرنی پڑے گی اور اگر کسی کا
قاتل نا معلوم ہو تو حکومت دیت ادا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ چاہے

مقتول مسلمان ہے یا کافر۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کبھی بھی مسلمانوں کو کھلی چھٹی نہیں دیتا کہ غیر مسلموں کا قتل عام کرتے پھیریں جیسے یہ تاثر آجکل مغرب کی طرف سے دیا جاتا ہے اسلامی حکومت میں کسی کا بھی خون رائگاں نہیں۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اب ذرا دیگر مذاہب کا تذکرہ کیا جائے کہ ان کے ہاں کسی غیر مذہب کے قتل پر کیا سزا ہے؟

انجیل اور تورات کی جو باتیں قرآن سے مطابقت رکھتی ہیں وہ اللہ عزوجل کے ہی بنائے ہوئے قوانین ان دو کے علاوہ جتنے بھی مذاہب ہیں ان میں کفارہ، جلاوطنی اور سوشل بائیکاٹ جیسی سزائیں ہیں جوکہ اس قبیح فعل کو نہ تو ختم کر سکتی ہیں نہ ہی کم۔

انسانوں نے جو قانون بنایا وہ عمر قید ہے ایک تو یہ قتل سے کہیں

زیادہ ظالمانہ قانون ہے کہ آپ جیتے جی روز مرتے ہیں اور دوسرا یہ

قانون بھی لوگوں میں وہ خوف پیدا نہیں کر سکا جو سزائے موت پیدا

کرتی ہے کہ آئندہ ایسا فعل کرنے کا کوئی سوچے بھی نہیں۔

وراثت

ایک اور چیز جو لوگوں کے درمیان قتل و غارت کا باعث بن سکتی

ہے وہ ہے وراثت کی تقسیم ، جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس

کا چھوڑا ہوا مال کیسے تقسیم کیا جائے۔ اسلام نے اس انتہائی اہم

انسانی ضرورت کا ایسا جامع حل دیا ہے کہ انسانی عقل حیران رہ جاتی

ہے۔ اسلامی قانون وراثت میں مرنے والے کے تمام رشتہ داروں

کا خوب خیال رکھا گیا ہے۔ اور یہ تقسیم ایسی انصاف پر مبنی ہے کہ یہ صرف اس کائنات کا رب ہی کر سکتا تھا۔

یہ قرآن کے ان معجزات میں سے ایک ہے جو ڈاکٹر موریس بوکای جو کہ ایک فرانسیسی سرجن اور مصنف تھے اور علیجا عزت بیگووچ جو کہ ایک فلسفی اور ماہر قانون تھے جیسے کئی لوگوں کے لیے قرآن کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے کی دلیل بنا۔ مسلمان تو وراثت کے ان قوانین کو منزل من اللہ ہونے کی وجہ سے مانتے ہیں لیکن منطقی لحاظ سے بھی یہ قوانین انتہائی جامع ہیں ۔ اور ایسا انصاف کائنات کا رب ہی کر سکتا ہے۔ چیلنج آج بھی موجود ہے کہ اس سے بہتر قانون لاو لوگوں نے کوشش بھی کی لیکن منہ کی کھائی۔

امیری غریبی

حکومت اور وراثت کے بعد جو چیز انسانی تاریخ میں بہت زیادہ قتل و غارت کا باعث بنی وہ دولت کی غیر مساوی تقسیم ہے کبھی امیر غالب آئے تو انھوں نے غریبوں کا استحصال کیا اور بے پناہ ظلم کیے اور کبھی غریبوں نے امیروں کے خون سے اس زمین کو سرخ کیا۔

امیری اور غریبی کا یہ فرق ختم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ ختم ہونا چاہیے کیوں کہ اس کے بغیر نظام زندگی کا چلنا ناممکن ہے۔

اسلام نے امیروں پر صرف چار ٹیکس لگائے زکوٰۃ، عشر، فطر اور صدقات۔

اسلام انسان کو جائز اور حلال طریقے سے ظلم کے بغیر دولت کمانے سے ہرگز نہیں روکتا بس آپ نے اپنی دولت کو پاک کرنے کے لیے یہ چار مال نکالنے ہیں ۔

اسلام نے اس مال کو اکٹھا کرنے یا حساب کتاب لگانے کے لیے کوئی بڑے بڑے محکمے نہیں بنائے کہ آدھے سے زیادہ مال جو غریب کی فلاح پر لگنا تھا وہ یہ لوگ کھا جائیں ۔ اسلام نے لوگوں میں صرف اللہ کا ڈر پیدا کیا اسی کی محبت پیدا کی جو مال لوگوں کے پاس ہے وہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے الغرض خدا کے وجود کا کانسیپٹ ہی لوگوں کو اپنا مال انجان لوگوں پر خرچ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے ۔

اسلام نے اس فرق کو مٹانے کی کوشش ہرگز نہیں کی لیکن ایسا قانون دیاکہ جس سے امیر اور غریب کے درمیان نفرت ہرگز پیدا نہ ہو۔ امیر اللہ کی رضا کی خاطر زیادہ سے زیادہ مال اللہ کی مخلوق پر خرچ کرتا ہے اسلام نے ایسے لوگ پیدا کر دیے جنھوں نے مال کی اس فطری محبت کو اللہ کی محبت پر قربان کر دیا اور خود پر خرچ کرنے کی بجائے غریبوں پر خرچ کیا۔ ایسا کرنے سے غریب کے لیے دل میں امیروں کے لیے ادب و احترام اور محبت کا ایک رشتہ پیدا ہوگیا۔اس کے علاوہ اسلام نے سود کی شکل میں غریبوں کے استحصال کو کیسے قرض حسنہ کے ذریعے ختم کیا اسے ہم معیشت کے موضوع میں دیکھیں

گے بہر حال امیر اور غریب کے درمیان نفرت ختم کرنے کا یہ بھی
ایک بہت بڑا موجب بنا۔

ایک اور بڑی وجہ جو لوگوں کے درمیان بہت زیادہ قتل و غارت کا
باعث بنی وہ ہے

عزت

اگر آپ دنیا بھر سے قتل کی وجوہات کا ریکارڈ اکھٹا کریں تو مختلف
ممالک کی آپسی جنگوں کے بعد قتل کی سب سے بڑی وجہ غیرت اور
عزت ہوگی۔ اسلام نے اس انتہائی اہم مسئلے کے لیے بھی ایسا جامع
قانون دیا ہے کہ اگر اسے مکمل نافذ کیا جائے تو عزتیں مکمل محفوظ ہو
جائیں اسلام نے اس فطری ضرورت کو سمجھتے ہوئے لوگوں کو نکاح

کرنے کی نہ صرف آزادی دی بلکہ حکم دیا مرد کی فطری ضرورت
عورت سے مختلف ہے اس لیے اسے ایک وقت میں چار عورتوں
سے شادی کرنے کی اجازت دی اس قانون کی سب سے زیادہ
مخالفت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیوی کے علاوہ کئی عورتوں
سے ناجائز تعلقات بنائے رکھتے ہیں۔ بہرحال یہ تو اب ایک سائنسی
حقیقت بھی ثابت ہو چکی ہے کہ مرد اور عورت اس فطری ضرورت
کے معاملے میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

اسلام نے نکاح کی نہ صرف اجازت یا حکم دیا بلکہ اسے انتہائی آسان
بنایا۔ ولی یعنی عورت کے وارث کی اجازت، دو گواہ اور مہر کے بعد
ایجاب و قبول ۔ مہر کی بھی کوئی خاص رقم مختص نہیں عورت اگر

لوہے کی انگوٹھی پر بھی راضی ہو تو بھی نکاح جائز۔ اس کے بعد ایک

سادہ سا کھانا جسے ولیمہ کہا جاتا ہے۔

نکاح کے بعد اگر ساتھ نہیں رہ سکتے تو طلاق کا ایک جامع قانون اور

طریقہ کار۔ ایک طلاق دے کر تین ماہ ساتھ رہنے کا حکم کہ اگر یہ فیصلہ

جذباتی تھا تو اس سے رجوع ہو جائے۔

اگر رجوع نہیں تو عورت اور مرد دونوں آزاد اور دونوں کی دولت اکٹھی کر

کے آدھی آدھی تقسیم کرنے والی غیر منطقی بات کا اسلام میں کوئی

دخل نہیں۔ ہاں مرد کو یہ ترغیب ضرور دی گئی ہے کہ وہ احسن

طریقے سے عورت کو آزاد کرے۔ طلاق کا یہ اختیار صرف مرد کے

پاس نہیں بلکہ عورت بھی چاہے تو حق مہر معاف کر کے آزادی
حاصل کر سکتی ہے۔ جسے خلع کہتے ہیں۔

دونوں میں سے اگر کوئی وفات پا جاتا ہے تو زندہ رہنے والا بعد میں
شادی کر سکتا ہے سفید ساڑھی میں زندگی گزارنے والا کوئی قانون
نہیں۔

اسلام میں شادی کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں۔ مغرب نے اٹھارہ
سال سے چھوٹی عمر کے بچوں کے لیے شادی پر پابندی لگائی اور
اسی مغرب میں شاید ہی کوئی بچہ ایسا ہو جو اٹھارہ سال تک خود کو اس
فطری ضرورت سے باز رکھ سکا ہو۔

الغرض اسلام میں شادی کا بنیادی مقصد انسان کی اس فطری ضرورت کا پورا کرنا، عزتوں کا تحفظ اور اولاد کا حصول ہے۔ اور اسلام اس کا حکم بھی دیتا ہے اس کی مکمل آزادی بھی دیتا ہے اور اس کے لیے آسانی بھی پیدا کرتا ہے۔

اب ذرا ایک اور فطری خواہش کی بات کرتے ہیں وہ یہ کہ انسان کے پاس جو کچھ ہو اس کی قدر نہیں ہوتی اور جو نہیں ہے اسے حاصل کرنے کے لیے ہلکان ہوا جاتا ہے۔

اللہ کریم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہ اس کی تمام ضروریات اور خواہشات سے پوری طرح واقف ہے۔ دنیا کا کوئی بھی انسان چاہے وہ خدا کو مانتا ہے یا نہیں جتنا بھی ماڈرن ہو وہ ہرگز یہ نہیں چاہے گا کہ

اس کا شریک حیات ادھر اُدھر منہ مارتا پھرے۔ اب اس خواہش کو کنٹرول کیسے کیا جائے اسلام نے مکمل بندوبست کیا۔ لوگوں نے بھی اللہ کا قانوں چھوڑ کر خود کا قانون بنانے کی کوشش کی لیکن خاطر خواہ نتائج حاصل نہ کر سکے۔

اسلام نے عزتوں کی حفاظت کے لیے عورتوں اور مردوں کے اختلاط پر مکمل پابندی لگا دی ۔ عورت اگر کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلے بھی تو مکمل پردے میں ۔ ایسی بڑی چادر جس کے اندر کوئی یہ نہ جان سکے کہ لڑکی جا رہی ہے یا بڑھیا اور خاص طور پر آنکھوں کا پردہ ۔ عورت کو خوشبو لگا کر باہر نکلنے سے منع کیا گیا اور ایسا زیور جس کی آواز پیدا ہو۔ اسی طرح مرد کو بھی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔

اگر ان قوانین کو رائج کیا جائے تو عزتیں مکمل محفوظ ہو جائیں اور ہر مرد اور عورت اپنے شریک حیات تک ہی محدود رہے۔ شیطان لعین ہمیں ہر منع کردہ چیز انتہائی خوبصورت کر کے دکھاتا ہے۔ جب اپنے شریک حیات کے سوا کچھ دیکھیں گے ہی نہیں تو دل کیوں چاہے گا۔ بربادی شروع ہی نظر سے ہوتی ہے۔ شتر بے مہار سوشل میڈیا نے ہمارے نوجوانوں کے لیے عزتوں کی حفاظت انتہائی مشکل بنا دی۔ بس اللہ ہی کی رحمت ہے کہ ہم سب کی عزتیں محفوظ رہیں۔

اگر کوئی یہ غیر اخلاقی کام کر بیٹھے تو اگر کنواری، کنوارہ کرے تو انہیں کوڑے لگائے جائیں اور اگر شادی شدہ مرد یا عورت ایسا قبیح فعل کرے تو انہیں سنگسار کیا جائے۔

سنگسار کو بہت ظالمانہ سزا اور انتہائی تکلیف دہ سمجھا جاتا ہے۔ ظالمانہ تو
یقینی طور پر نہیں لیکن تکلیف دہ ضرور ہے "دیکھنے والوں کے
لیے" کہ جسے زمین میں گاڑ کر ہاتھ باندھ کر پتھر مارے جاتے ہیں اسے
پہلا پتھر جب سر میں لگتا ہے تو دماغ سن ہو جاتا ہے باقی ساری
تکلیف اور سزا دیکھنے والوں کے لیے عبرت ہوتی ہے۔

ظالمانہ اسے وہ لوگ کہتے ہیں جو اسلام کا جزوی مطالعہ کرتے ہیں۔
اسلام میں عورت کی تمام تر ضروریات کا پورا کرنا مرد کا ذمہ داری ہے
وہ صرف گھر کے کام کاج، صفائی، اور کھانا پکانے کی ذمہ دار ہے
آج کے معاشرے نے عورت کو بھی مرد بنا ڈالا اور اس بیچاری کو باہر
گھسیٹ لائے۔ اور اس طرح عورت کی زندگی انتہائی مشکل ہوگئی۔

عام حالات میں تو عورت باہر جا کر بڑی خوش ہوتی ہے لیکن جب بچے پیدا ہوں اور ان کی دیکھ بھال کرنی پڑے اور ساتھ میں ملازمت بھی تو اکثر کی چیخ و پکار دیدنی ہوتی ہے۔

اسلام نے یہ ذمہ داری مرد کی لگائی ہے۔ شادی سے پہلے باپ اور بھائی اور بعد میں شوہر اور بیٹے۔ اب اگر ایک مرد دن بھر انتہائی مشکل کام کر کے روزی کمائے اور اپنی بیوی کی ضروریات کو پورا کرے اور ایسی عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ منہ کالا کرے تو سنگسار قطعاً ظالمانہ سزا نہیں۔ اسی طرح مرد بھی کسی رحم کے قابل نہیں۔ دیوس یعنی بالکل ہی بے غیرت کو چھوڑ کر آپ دنیا کے کسی بھی انسان سے پوچھیں تو وہ اپنی بیوی یا شوہر کے لیے قتل ہی پسند

کرے گا۔ سنگسار اس قتل و غارت کو روکنے کا ایک ذریعہ ہے کہ

آئندہ کوئی اس فعل کی جراءت نہ کرے اور سب کی عزتیں محفوظ

رہیں۔ اب جب یہ سزائیں کالعدم ہوئیں تو معاشرے میں بگاڑ پیدا

ہوا عزتیں محفوظ نہ رہیں لوگوں نے غیرت کے نام پر قتل و غارت

بھی کی۔ آج کے اس معاشرے میں اگرچہ انسان کے غیرت کے

معیار بہت گر چکے ہیں لیکن پھر بھی دنیا میں سب سے زیادہ قتل

غیرت کے نام پر ہی ہوتے ہیں۔

چوری اور ڈکیتی سے مال کی حفاظت

ایک اور چیز جو لوگوں کے درمیان قتل و غارت کا باعث بنتی ہے وہ

مال و دولت کی حفاظت ہے۔ اسلام نے لوگوں کی مال و دولت کی حفاظت کا بھی خوب خیال رکھا ہے۔

اسلام میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ لوگوں نے اسے بھی چھوڑ دیا اور بے شمار قوانین بنائے لیکن افسوس کہ چوری کو معاشرے سے نہ روک سکے۔ کتنے ہی ایسے چور ہیں جو یہ سزائیں کئی دفعہ کاٹ چکے لیکن چوری سے باز نہ آئے اب جب وہ خود اس سزا سے نہ ڈریں تو کسی دوسرے کو عبرت کیا ہو؟

کچھ لوگ اس سزا کو بھی ظالمانہ کہہ دیتے ہیں لیکن یہ انصاف نہیں ایسا کہنے والے وہ لوگ ہیں جن کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے کہ اگر تھوڑا سا چوری بھی ہو جائے تو ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔ آپ ذرا خود کو

اس شخص کی جگہ پر رکھ کر سوچیں جس کے پاس تھوڑا سا مال ہے جس

سے اس نے اپنے بچوں کے لیے کھانا خریدنا ہے اور گھر کا کرایہ دینا

ہے اگر یہ مال کوئی کوئی چھین لے تو شاید آپ ایسے شخص کے لیے

قتل کی سزا تجویز کریں ۔ کہ رات بھر بچوں کا بھوک سے بلکنا کوئی بھی

برداشت نہیں کر سکتا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر ایسے شخص کو قتل

بھی کر دیا جائے تو اس کے وہ ثمرات حاصل نہیں ہوں گے جو ہاتھ

کاٹنے سے ۔ یہ لوگوں کو چوری سے روکنے والا چلتا پھرتا اشتہار بنے گا۔

اور آئندہ کوئی بھی کسی کا مال ہتھیانے کی کوشش نہیں کرے گا۔

یہ تو تھیں کچھ انتہائی اہم وجوہات جو لوگوں کی قتل و غارت کا باعث

بنتی ہیں۔

اہم بات

جو انتہائی توجہ طلب ہے وہ یہ کہ جزوی اسلام کبھی بھی ایک کارآمد نظام نہیں بن سکتا بلکہ ایسی صورت میں اسے انتہائی سخت کہنا بھی درست ہو گا۔ جیسے میں نے اوپر مثال دی سنگسار واقعی ایک انتہائی سخت سزا ہے لیکن اگر مکمل اسلام نافذ ہو تو اس کی نوبت کم ہی آئے گی۔کہ نکاح اس قدر آسان ہے چاہے آپ کے پاس کچھ بھی نہ ہو پھر بھی نکاح ہو سکتا ہے کہ اس کار خیر میں تعاون کی لوگوں کو خوب ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح اگر زکوٰۃ اور صدقات کا نظام رائج کیے بغیر آپ چور کے ہاتھ کاٹیں گے تو یہ واقعی ظلم ہو گا۔

معیشت

اسلامی نظام معیشت انتہائی سادہ ہے اور اگر کوئی ایک ہی اہم چیز دیکھی جائے جو اسے دنیا بھر سے ممتاز کرتی ہے تو وہ ہے سود کا مکمل خاتمہ اور اس کی بجائے قرض حسنہ۔

اسلام سود کی سختی سے ممانعت کرتا ہے سورۃ البقرہ آیت 276

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ

'' اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے اور گنہگار سے محبت نہیں کرتا''

اسی سورۃ کی آیت 275 میں سودی کاروبار کرنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس وقت تقریباً دنیا بھر میں سودی نظام رائج ہے قطع نظر اس کے کہ ملک اسلامی ہے یا غیر اسلامی۔

سود غریبوں کا استحصال ہے ۔جو بندہ حالات کے گرداب میں پھنستا ہے سود اسے وہاں سے نکالنے کی بجائے اسے مزید مصیبتوں اور پریشانیوں میں دھکیلتا ہے۔ سود امیر اور غریب کے درمیان فرق کو بہت زیادہ بڑھاتا ہے جس سے معاشرہ بدامنی کا شکار ہوتا ہے جرائم کی شرح میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔

جو لوگ اللہ کو مانتے ہیں وہ اس زندگی کو عارضی سمجھتے ہیں ان کا یقین ہے کہ ایک وقت آئے گا جب دنیا بھر کی دولت ان کی نجات کے لیے ایک نیکی خریدنے سے قاصر ہوگی اس لیے وہ اپنے بھائی کی مشکل سے مالی فائدہ اٹھانے کی بجائے اللہ عزوجل سے اجر کا یقین رکھتے ہوئے اپنے بھائی کو بلا سود قرض دیتے ہیں اور پھر اسے واپس ادائیگی میں آسانی دیتے ہیں کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے اس کی بہت فضیلت بیان فرمائی۔ سورۃ البقرہ کی آیت 280 میں اللہ کریم نے فرمایا۔

''اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دو اور اگر معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’جس نے کسی مقروض کو مہلت دی یا اسے معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اپنے سائے سے اس پر سایہ کرے گا‘‘ (صحیح مسلم ۔3006)

افسوس کہ آج مسلمان بھی پرسنٹیج کے چکر میں پڑے اور آخرت کی ان عظیم بشارتوں سے غافل ہو گئے۔

اس کے علاوہ اسلام ہر اس کام کو ذریعہ معاش بنانے کی اجازت دیتا ہے جس سے انسانیت کا نقصان مقصود نہ ہو۔

اسلام نے منافع لینے کا کوئی قانون متعین نہیں کیا لیکن ایک چیز پر بڑا زور دیا اور وہ ہے مومن کی خیر خواہی ۔ میرے استاد محترم مفتی اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ایک شاندار نقطہ

بیان فرمایا کہ جب کچھ خریدنے لگو تو خود کو فروخت کنندہ سمجھو اور سوچو کہ تم اسے کتنے دام میں فروخت کرنا چاہو گے اور اسی طرح جب کچھ بیچنے لگو تو خود کو خریدار سمجھو کہ تم اسے کتنے روپوں میں خریدنا چاہو گے یوں جو تم اپنے لیے پسند کرو اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرو۔ آپ کا مسلمان بھائی اگر کسی چیز کی قدر و قیمت سے ناواقف ہے تو اس کا ناجائز فائدہ نہ اٹھاو۔ آج کل کے تاجر یہ کہ کر کہ میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا اور خریدنے والا اس قیمت پر راضی ہے لوگوں کی کم علمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میرے بھائیو یہ اسلام کی تعلیمات ہرگز نہیں۔

"طبرانی میں ہے کہ جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو تین سو درہم کا ایک گھوڑا خریدنے کا حکم دیا، غلام گھوڑے کے ساتھ گھوڑے کے مالک کو بھی لے آیا، جریر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارا گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے، کیا اسے چار سو میں بیچو گے؟ وہ راضی ہوگیا، پھر آپ نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ قیمت کا ہے کیا پانچ سو درہم میں فروخت کرو گے، چنانچہ وہ راضی ہوگیا، پھر اسی طرح اس کی قیمت بڑھاتے رہے یہاں تک کہ اسے آٹھ سو درہم میں خریدا، اس سلسلہ میں ان سے عرض کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ پر ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کی بیعت کی ہے۔"

لیکن افسوس کہ آج اسلامی نظام کی یہ شہ سرخیاں معدوم ہو کر رہ گئیں۔ اور جن چیزوں کی وجہ سے اسلام دنیا میں غالب آیا اب انہیں خطیب موضوع نہیں بناتا اور چند فرقہ وارانہ فسادی مسئلوں نے واعظ کا ذہن جکڑ رکھا ہے۔

اسلام ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، جھوٹ، دھوکہ وغیرہ سے منع کرتا ہے بیچتے وقت اپنی چیز کے عیب بیان کرنا ایسا وصف تھا کہ دنیا محو حیرت ہو جاتی۔ اور جن چیزوں سے اسلام نے منع کیا تھا آج یہی چیزیں ہم مسلمانوں کا طرہ امتیاز بن چکی ہیں۔

اسلام نے امیروں پر صرف چار ادائگیاں لاگو کیں اور ان کے بدلے میں جنتوں کا وعدہ فرمایا۔ زکوٰۃ، عشر، فطرانہ اور صدقہ۔ حاکم وقت یہ

چاروں امراء سے اکٹھا کرتا ہے اور اسی علاقے کے غرباء میں تقسیم کر دیتا ہے ۔ ان ادائیگیوں کا آخرت میں تو فائدہ ہونا ہی ہے لیکن دنیوی فائدے بھی بہت ، جیسے غریبوں کے دلوں میں نفرت کی بجائے امیروں کے لیے محبت،چوری اور دیگر جرائم کی شرح میں اسقدر کمی کہ نہ ہونے کے برابر۔ امیروں کے جان و مال محفوظ اور زندگی پر سکون ۔ افسوس کہ ہم نے اللہ کی لاگو کردہ ان چار ادائیگیوں کو چھوڑا اور بے شمار ٹیکسز لگانے کا قبیح جرم اور سخت گناہ کیا لیکن وہ نتائج حاصل نہ کر سکے جو ہم چاہتے تھے ۔ امیروں پر بھی بہت زیادہ بوجھ پڑا کہ حکومت ٹیکس اکٹھا کرتی ہے اور مدرسہ ، ملاں ،ذاکر، این جی اوز، اسلامی اور دیگر فلاحی تنظیمیں زکوٰۃ صدقات اکٹھا کرتی ہیں ۔

کچھ مدیر مدارس یہ کہ کر زکوٰۃ الگ وصول کرتے ہیں کہ سکول، سڑک اور دیگر قسم کے اخراجات زکوٰۃ سے پورے نہیں کیے جا سکتے حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کے مصرف میں یہ سب شامل ہو سکتے ہیں۔

اسلامی نظام معیشت میں آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ مال غنیمت تھا جوکہ اب نہ ہونے کے برابر ہے افسوس اس بات کا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں جہاد پر خرچ کیا جاتا تھا لیکن اتنا نہیں جتنا ہم آج دفاع پر خرچ کرتے ہیں جس سے ہمارے محافظ خوب عیاشیاں کرتے ہیں ۔ اسلام میں جہاد کی تربیت حاصل کرنا حی علی الجہاد کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے اللہ کی راہ میں نکلنا ہر مسلمان کا بنیادی

فریضہ ہے اور اس کے بدلے جنتوں کے وعدے ہیں ۔ لیکن افسوس

کہ آج ہم بھی غیر مسلموں کے پیچھے چلے اور مراعات اور بھاری بھرکم

تنخواہوں کا لالچ دے کر فوجیں پالیں ۔ آپ رسول اللہ ﷺ کا دور

نبوت اور خلفائے راشدین کا دور دیکھ لیں آپ کو ایسی کوئی فوج نظر

نہیں آئے گی جسے مسلمانوں کی کمائی سے پالا جائے ۔ لوگ خود اپنا

مال، زاد راہ، ہتھیار اور سواری لے کر اللہ کی راہ میں نکلتے تھے اس

وقت لشکر کے لیے چندہ بھی اکٹھا کیا جاتا تھا تاکہ کسی کے پاس اگر مال

نہیں تو زاد راہ، یا ہتھیار وغیرہ دیے جائیں لیکن باقاعدہ کوئی فوج پالنے

کا تصور اسلام میں ہرگز نہیں ۔ لڑائی کی تربیت ہر مسلمان پر فرض

ہے لیکن جہاد کے لیے ہر کوئی اپنی مرضی سے نکلے گا کسی پر زور

زبردستی نہیں سوائے رسول اللہ ﷺ کے دور کے ایک آدھ غزوہ کے کہ آپ ﷺ نے سب کو نکلنے کا حکم دیا۔

جان انتہائی قیمتی چیز ہے اور پیسے کے لالچ میں اسے خطرے میں ڈالنا انتہائی بے وقوفی ہے ہاں اللہ کی رضا اور اس کی جنت کی نعمتوں کے حصول اور اعلائے کلمتہ اللہ کی خاطر ایک کیا ہزار جانیں بھی قربان۔

عدالت

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین علیہم السلام جیسا سستا اور فوری انصاف آپ کو شاید ہی تاریخ میں کہیں ملے جہاں قانون بھی اللہ کا دیا ہوا اور ججز بھی اللہ کے تربیت یافتہ رسول مکرم ﷺ اور رسول

اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ خلفائے راشدین ۔ جو زہد اور تقویٰ کے

امام تھے اللہ کا خوف اور دنیا کی بے رغبتی اس قدر تھی کہ جہاں بھر کی

کوئی چیز انہیں عدل سے نہیں ہٹا سکتی تھی ۔ اسلام میں عدل کے

معاملے میں کسی کو استثناء نہیں ۔ اسلامی نظام عدل سمجھنے کے لیے

ایک فرمان رسول ﷺ ہی کافی ہے

'' فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی اگر چوری کرے تو میں اس کے بھی ہاتھ

کاٹ دوں ۔''

آج عدالتی قوانین لوگوں کے بنائے ہوئے اور نتیجہ آپ کے

سامنے جیلیں لوگوں سے بھری پڑیں اور معاشرہ انتہائی غیر محفوظ۔ آج

کے ہمارے لبرل مسلمان مغرب کی بہت مثالیں پیش کرتے ہیں

لیکن ایک فرق کو نہیں جانتے کہ مغرب کا یہ امن کاغذی اور کھوکھلا ہے اسلامی نظام عدل نے اس وقت لوگوں کو جان، عزت اور مال کا تحفظ دیا۔ جب قتل کو لوگ کوئی بڑی بات ہی نہیں جانتے تھے اور چھوٹی چھوٹی باتوں اور چیزوں پر انسانی جان لی جاتی تھی۔ مال کا تحفظ اس وقت دیا جب لوگ فاقے کرتے تھے لیکن مجال ہے کہ کوئی کسی کا مال چوری کرے۔ عزت کا تحفظ اس دور میں دیا جب لوگ اپنے زنا کے قصے اعلانیہ سنایا کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔

آج کے اس سائنسی دور میں خدا کا وجود ماننا ہرگز مشکل نہیں رہا جیسے جیسے لوگ اللہ کی بنائی ہوئی کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں ہر راستہ انہیں باالآخر خدا کی طرف لے جاتا ہے۔ اصل مسئلہ خدا کی ماننے کا ہے ۔ اوپر میں نے چند ان باتوں کا ذکر کیا جو ہر انسان ملحد و مومن کی انتہائی اہم بنیادی ضرورتیں ہیں۔ اور یہ ضرورتیں صرف دین اسلام ہی پوری کر سکتا ہے ۔ اسی نظام میں یہ قوت ہے کہ لوگوں کو پائیدار امن دے۔ یہی نظام تھا جس کے سبب اسلام انسانی تاریخ کی سب سے مختصر مدت میں اور سب سے کم خون بہا کر دنیا پر غالب آیا۔ یہ نظام آج بھی قرآن و سنت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے لیکن افسوس کہ ہم مسلمانوں نے اس نظام کی اساس چھوڑ کر

جزئیات کو بہت زیادہ اہمیت دی وہ بھی برائے نام۔آج دنیا میں
پچاس سے اوپر اسلامی ملک ہیں اور کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس
میں اسلامی نظام مکمل رائج ہو۔ حکومت ، عدالت ، معیشت،
معاشرت اور تعلیم مکمل اسلام کے تابع ہو۔اے کاش کہ ایسا ہوتا تو
لوگوں کی اکثریت آج بھی آزاد ہوتی اور انتہائی پر سکون زندگی گزارتی۔

آخری حصہ

یہاں تک میں نے بات کی کہ انسان کا تعلق کسی مذہب سے ہو یا

نہ ہو جان، عزت اور مال کی حفاظت اس کی بنیادی ضروریات ہیں۔

ہر مذہب چاہے وہ خدا کی طرف منسوب کیا جائے جیسے اسلام،

یہودیت، عیسائیت، سکھ، بدھ مت، ہندو، قادیانیت وغیرہ یہ دعویٰ کرتا

ہے اس کے پیرو کاروں کو دنیا اور آخرت میں بھلائی ملے گی۔ آخرت

تو ہماری نگاہوں سے اوجھل رکھی گئی ہے لیکن دنیا میں تو سب ہم

اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہر مذہب کے پیرو کار کا یہ بنیادی

حق بھی ہے اور اس پر فرض بھی ہے کہ وہ تحقیق کرے کہ کیا واقعی

وہ اپنے مذہب کی پیروی کر کے اور اسے دنیا پر رائج کر کے تمام

انسانیت کے جان، مال اور عزت کی حفاظت کی ضمانت دے سکتا

ہے؟

میں الحمدللہ مسلمان ہوں اور میرا بھی یہ دعویٰ ہے کہ دنیا کے تمام

مسائل کا واحد حل صرف اور صرف اسلام ہے۔ اگر اسلام کو اس دنیا

پر مکمل رائج کر دیا جائے تو جن نعمتوں کا ذکر جنت کے لیے کیا گیا

ہے ان کا مزہ ہم اس دنیا میں بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے

میں اسلام کے امتیازی اوصاف جو کہ ہر انسان کی جان، عزت و مال

کی حفاظت کے ضامن ہیں ان کا تذکرہ اوپر ہو چکا کہ کیسے اسلامی

حکومت، معیشت و عدالت ہمیں مطلوبہ نتائج دیتے ہیں۔ اب سوال

یہ ہے کہ دنیا میں تقریباً دو ارب مسلمان موجود ہیں پچاس سے اوپر

مسلمان ریاستیں ہیں لیکن کوئی ایک بھی مسلمانوں اور عام انسانوں کو وہ ثمرات مہیا نہیں کر سکی جو رسول اللہ ﷺ کے دورِ نبوت اور خلفائے راشدین کے دور میں حاصل تھے۔

یہ میری اس تحریر کا آخری حصہ ہے کہ اسلام کیا تھا اور ہم تنگ نظر مسلمانوں نے اسے کس قدر محدود کر کے رکھ دیا۔

اسلام کیا ہے؟ اس کی تعلیمات کیا ہیں؟

یہ جاننے کے لیے اللہ کریم نے ہمیں اپنی کتاب القرآن الکریم عطا فرمائی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہر ذی شعور خود اس کا مطالعہ کرے اور اسے سخت سے سخت آزمائش سے گزار کر معلوم کرے کہ یہ اللہ کا

کلام ہے یا نہیں ۔اوپر میں نے قرآن کے کچھ خصائص پر بات کی ہے اب ذرا تفصیل سے اس مذہب کا تعارف ہو جائے ۔

قرآن بنیادی طور پر چھ عقائد اور پانچ اعمال پر زور دیتا ہے ۔ اس کے چھ عقائد میں سب سے پہلے اللہ پر ایمان، پھر اس کے فرشتوں ،اس کی کتابوں، اس کے رسولوں علیہم السلام ، اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہونے اور موت کے بعد زندگی پر ایمان ۔

انہیں اگر مزید مختصر کیا جائے تو توحید، رسالت اور آخرت اسلام کے بنیادی عقائد ہیں اور پورا قرآن ان کے دلائل پر مشتمل ہے ۔

ان تینوں بنیادی عقائد کے بارے خوب بحث اوپر گزر چکی کہ کیوں ان تینوں کا ماننا ہماری دنیوی زندگی کے لیے ضروری ہے عقیدہ وجود خدا اور رسول اللہ ﷺ جیسا رہبر و رہنما ااور موت کے بعد زندگی اور سوال و جواب کا اگر ڈر نہ ہو تو نظام زندگی چلنا ممکن نہیں۔

اس کے بعد پانچ اراکین ہیں جن پر عمل ہر مسلمان کے لیے فرض ہے ان میں سب سے پہلے توحید، پھر نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں۔

عقائد کا تعلق زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق اور عمل سے اظہار سے متعلق ہے۔ دل سے تصدیق کے لیے شرح صدر کا ہونا بہت ضروری ہے کہ خدا کیسے مانا اور اس عقیدے کو منوانے کے لیے اللہ کریم نے اس کائنات کو بھر دیا ہے۔ یہ پوری کائنات اللہ کریم کے

وجود کے دلائل پر مشتمل ہے ۔ ان عقائد کا زبانی اظہار اور دل سے تصدیق مومن ہونے کے لیے کافی نہیں بلکہ اپنے عمل سے اس کا اظہار ہی ہر مسلمان کے دعویٰ مسلمانی کی دلیل ہے ۔

اس دعویٰ مسلمانی کی دلیل کے لیے اللہ کریم نے ہم پر پانچ اراکین کو فرض قرار دیا ہے ۔ قرآن ان کے علاوہ بھی اوامر و نواہی سے بھر پور ہے لیکن نظام جس کی ہم بات کرتے ہیں اس کا انحصار بنیادی طور پر ان پانچ چیزوں پر ہے ۔

مسلمانوں کی اکثریت ان عقائد کی حامل اور ان اعمال کی پیرو ہے لیکن ان کے اصل فلسفہ سے ناواقف ، تبھی تو ہمیں ان عقائد و اعمال کے وہ ثمرات حاصل نہیں ہو رہے جن کا اسلام دعوے دار ہے ۔

اب ذرا ان اعمال کا ذکر کرتے ہیں کہ مسلم اُمہ اپنے تئیں ان کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے ۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان صحیح بخاری حدیث 8 میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ۔ اول گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا ۔

یہ باتیں آج بھی اُمت مسلمہ میں پائی جاتی ہیں لیکن ان کی حیثیت محض مذہبی رسومات تک محدود ہے ان کی اصل روح سے نہ تو ہم واقف ہیں اور نہ ان پر عمل اس طرح کرتے ہیں کہ اس سے ان

عبادات کی حقیقی روح سمجھ آئے ۔ ہم مسلمانوں نے ان عبادات کو صرف آخرت کے لیے فائدہ مند تصور کر رکھا ہے ضرور یہ اعمال آخرت میں ہمیں بہت زیادہ فائدہ دیں گے لیکن دنیا میں یہ اسلام کا چارٹر ہیں یہی وہ بنیادی اُصول ہیں جو ہمارے نعرے ''اسلام ہی انسانیت کے مسائل کا حل ہے'' کے لیے دلائل ہیں ۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین علیہم السلام نے اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو ساتھ لے کر پچاس سال کی انتہائی قلیل مدت میں دنیا فتح کر ڈالی ۔

اس عرصہ کے دوران نہ تو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کوئی ایسی زرہ ایجاد کی کہ جسے پہن کر انسان ناقابل تسخیر ہو جاتا نہ ہی لڑائی

کی تربیت ایسی کر ڈالی کہ ایک اکیلا مجاہد ہزاروں دشمنوں کو کافی ہو جاتا

پوری سیرت کا مطالعہ کر لیں رسول اللہ ﷺ نے جنگی سازوسامان

ایجاد کرنے اور مجاہدین کی جدید تربیت پر کوئی زیادہ زور نہیں دیا بس

وہی روائتی فنون حرب جیسے گھڑ سواری، تیر اندازی، نیزہ بازی اور تلوار

بازی اور ہم سب جانتے ہیں عرب ان تمام فنون حرب میں پہلے ہی

مہارت رکھتے تھے اب سوال یہ ہے کہ دیگر عرب ، رومی و ایرانی

بھی یہ مہارتیں رکھتے تھے پھر کیسے عرب فتح ہوگیا، یرموک اور قادسیہ

جیسی جنگیں جنہیں آج پڑھیں تو ایک افسانہ سا لگتا ہے کیسے ہزاروں

کا لشکر لاکھوں پر غالب آگیا؟

جی ہاں ، یہی پانچ اسلام کے بنیادی ارکان تھے جو فرق تھے

کافروں اور مسلمانوں کے درمیان ۔

حیرت تو اس بات پر بھی ہونی چاہیے کہ آج ہم کروڑوں مواحد، نماز ،

روزہ ، زکوٰۃ اور حج کرنے والے مسلمان اس دنیا میں موجود ہیں لیکن ہم

وہ عزت اور حمیت حاصل نہ کر سکے جو ہماری نسبت انتہائی قلیل

تعداد میں ہمارے اسلاف نے حاصل کی ۔

وجہ بڑی سادہ سی ہے کہ ہم نے ان بنیادی اراکین اسلام کی روح کو

سمجھا ہی نہیں ۔ انہی اراکین نے ہمارے اسلاف کے دل اللہ کے

علاوہ ہر قسم کا ڈر نکال پھینکا اور جبکہ ہمارے ارباب اختیار ایٹم بمب

اور انتہائی جدید ٹیکنالوجیز کے حامل ہیں پھر بھی امریکہ کے نام سے

کانپتے ہیں۔ غیرت تو ایسی ختم ہوئی کہ اب ہر ایک خود کو امریکہ کا اعلانیہ وفادار کہتا ہے۔

توحید

سب سے پہلا اور سب سے اہم رکن توحید، اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ یہ واحد ایسا عمل ہے کہ اگر اس میں کوئی نقص ہوا اور بندہ اسی حال میں فوت ہوگیا تو وہ جنت میں کبھی بھی داخل نہ ہو سکے گا۔ ہم سب کو چاہیے کہ اس عقیدے کو خوب خوب سمجھنے کی کوشش کریں میرے استاد محترم مفتی اسحق علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ یہ ایک ایسا مسئلہ جسے روایات کی بجائے صرف اور صرف اللہ کے

قرآن سے سمجھنا چاہیے۔یا ساریہ الی الجبل جیسی کئی ضعیف روایات نے اس عقیدے کو مسلمانوں میں برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ پورا قرآن اللہ کریم کی توحید سے بھرا پڑا ہے۔

لقمان علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا تھا کہ بے شک شرک بہت ہی بڑا ظلم ہے۔ اس کائنات کی تمام تر نعمتیں اللہ کی بلا شرکت غیرے پیدا کردہ ہیں۔انہیں کسی اور کی طرف منسوب کرنا واقعی بہت بڑا ظلم ہے ۔ ہمارے کیے ہوئے کام یا ایجاد کو ہمارے سامنے کسی اور کی طرف منسوب کر کے اس کی تحسین کی جائے تو ذرا سوچیں ہمارے دل پر کیا گزرے گی؟

علمائے کرام نے اللہ کریم کی ذات، عبادات، تصرف، صفات ، علم کی توحید پر خوب زور دیا۔ بشیر احمد لودھی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک انتہائی مختصر سی کتاب ''توحید اور ہم'' میرے مواحد بننے کا سبب بنی اس میں مندرجہ بالا توحید کی تمام قسموں کو قرآنی آیات کی روشنی میں واضح کیا گیا اس کے علاوہ اگر آپ زیادہ تفصیل چاہتے ہیں تو ارشاد اللہ مان علیہ الرحمہ کی کتاب ''تلاش حق'' کا مطالعہ ضرور کریں۔ میں یہاں مختصراً بیان کرتا ہوں۔

توحید فی الذات

اللہ کریم اپنی ذات میں اکیلا ہے نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا اور نہ ہی کوئی اس کا جزو ہے۔ نہ وہ کسی بندے کی شکل میں دنیا پر آیا اور نہ

ہی کوئی بندہ عبادت کر کے اس میں داخل ہوگیا۔یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اسی طرح مکہ کے مشرکوں نے فرشتوں کیا اللہ کی بیٹیاں کہ کر اللہ کی ذات میں شرک کیا۔ اللہ کریم قرآن کی سورۃ اخلاص کے مطابق اپنی تمام مخلوقات سے مکمل الگ ہے۔ شرک اس توحید میں یہ بھی ہے کہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو اللہ کا چہیتا بنا دیا جائے کہ وہ اور اس کے متبعین جو مرضی کرتے رہیں۔ ایسی کھلی چھٹی اللہ کریم نے کسی کو بھی عطاء نہیں فرمائی۔

توحید فی الصفات

قرآن و سنت میں اللہ کریم کی بہت زیادہ صفات بیان ہوئی ہیں اللہ کے ننانوے نام اس کی صفات کے عکاس ہیں ۔ اللہ کریم نے قرآن کی سورۃ الشوری کی آیت 11 میں فرمایا

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

''اس جیسا کوئی نہیں، اور وہ ی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے''

توحید فی الصفات یہ ہے کہ اللہ کریم کی تمام صفات میں سے کسی ایک کو بھی اللہ کی کسی مخلوق میں اللہ جیسا نہ مانیں ۔ اسی آیت کی ہی مثال لے لیں اس میں اللہ کریم کی دو صفات کا ذکر ہے سمیع اور

بصیر اب یہ صفات انسان میں بھی موجود ہیں لیکن شرک تب ہو گا جب ہم ان صفات کو اللہ جیسا مانیں گے ۔

اللہ کی صفات ذاتی ، انسان کی عطائی، انسان کی سمیع اور بصیر کی صفات کانوں اور آنکھوں کی محتاج، اللہ کسی چیز کا محتاج نہیں ۔ انسان کی صفات انتہائی محدود فاصلہ زیادہ ہو تو نہ ہم دیکھ سکتے نہ سن سکتے ہیں درمیان میں کوئی رکاوٹ ہو تو بھی ہماری سماعت و بصارت ختم، ایک وقت میں ہم صرف ایک ہی آواز کو بغور سن سکتے ہیں اور کسی ایک ہی نقطے پر فوکس کر سکتے ہیں ۔ ہم سننے کے لیے لفظوں کے محتاج اور دیکھنے کے لیے روشنی کے محتاج ۔

اسباب کے تحت ہم بھی بہت دور کی چیز دیکھ سن سکتے ہیں لیکن
اس کے لیے ہم ٹیلی فون یا سیٹلائٹ کے محتاج ۔ اب اگر کوئی اللہ
کی کسی مخلوق میں ان تمام صفات میں سے کسی ایک کو اللہ جیسا لا
محدود، غیر محتاج مانے گا تو اس نے شرک کیا۔ مسلمانوں نے اللہ
کریم کی صفات کے معاملے میں بڑا متشدد رویہ اپنایا۔ کچھ لوگوں نے
اللہ کے ہاتھ، چہرے اور کرسی وغیرہ کا انکار کر دیا کہ اس سے مخلوق کی
مماثلت لازم آتی ہے تو انھوں نے ان تمام چیزوں کی تاویل کر دی اور
ماننے والوں کو مشرک قرار دیا، جو مانتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم اللہ
کے حکم کے مطابق یہ سب مانتے ہیں البتہ اس کی کیفیت اللہ ہی
جانتا ہے انھوں نے تاویل کو ایک گناہ بنا دیا۔ اس بحث سے بہر حال

بچنا ہی بہتر ہے۔ میں بھی اپنے استاد محترم مفتی اسحق رحمتہ اللہ علیہ کی طرح ان دونوں میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ صفات مانیں لیکن جہاں تاویل کی ضرورت پڑے تاویل بھی کی جا سکتی ہے

توحید فی العبادات

عبادات میں قولی، فعلی اور مالی زیادہ مشہور ہیں ۔ قولی میں اللہ کی تمحید و تہلیل۔ فعلی عبادات جیسے نماز، روزہ، حج اور جہاد وغیرہ۔ اور مالی عبادات جیسے صدقہ، زکوٰۃ، عشر، فطر وغیرہ

توحید فی العبادات یہ کہ انسان تمام تر میسر و غیر میسر، معلوم و نا معلوم نعمتوں کا عطا کرنے والا صرف اور صرف ایک اللہ کو مانتا ہے اور اسی کو خوش کرنے کے لیے اس کا ذکر کرتا ہے، نماز، روزہ، حج اور جہاد کرتا

اور مال خرچ کرتا ہے۔ شرک یہ ہے کہ انسان تمام نعمتوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ مانے کہ یہ نعمت اسے فلاں کی وجہ سے حاصل ہوئی اور پھر فلاں کا ذکر شروع کر دے، اس کی کوئی نشانی بنا کر وہاں آنا جانا شروع کر دے یا اس فلاں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرے۔ جیسے مکے کے مشرک اپنے بتوں کے لیے یہ تینوں کام کرتے تھے۔

توحید فی التصرف

اس توحید کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ کریم اس تمام کائنات کو بنانے میں اکیلا ہے اسی طرح اس کائنات کو چلانے میں بھی اکیلا ہے اس نے اس کائنات کا کوئی کام کسی دوسرے کے ذمہ نہیں

لگایا بلکہ وہ خود اس کائنات کو مکمل چلا رہا ہے۔ آیتہ الکرسی اس توحید کو

خوب واضح کرتی ہے کہ اللہ کے دم سے زندگی ہے اور وہی ہر چیز کو

قائم رکھنے والا ہے اللہ کو نہ تو نیند آتی ہے نہ اونگھ کہ وہ اس دوران

اپنے کام کسی کے سپرد کرے وہ خود مالک تمام آسمانوں اور زمین

کا۔ ایسا نہیں کہ اسے کوئی چیز کسی سے لینی پڑے، اگر وہ اجازت نہ

دے تو کوئی سفارش نہ کر سکے اور وہ کسی کے سامنے مجبور نہیں کہ اس

کی سفارش قبول کرنا اس کے لیے ضروری ہو، اس کی بادشاہت کی

وسعت آسمانوں اور زمین میں ہے بلکہ ان سے بھی آگے۔ کسی

انسان کے لیے اس کی بادشاہت سے نکل جانا ممکن نہیں اور نہ

اسے اپنی سلطنت کے کام تھکاتے ہیں کہ وہ آرام کرے اور اس دوران ہمیں کسی دوسرے کی ضرورت پڑے۔

اس توحید میں شرک یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ کے علاوہ کچھ ہستیوں کو اس کائنات میں صاحب تصرف مان لیا کہ وہ جو چاہیں کر لیتے ہیں انہیں حاجت روا اور مشکل کشا مان لیا۔ غیر مسلموں نے کیا تو انہوں مختلف کاموں کے لیے مختلف خدا بنا لیے اور مسلمانوں نے غوث، قطب اور ابدال بنا لیے۔ جاہلوں نے پہلے یہ خود ساختہ عقیدہ بنایا پھر اسے سچ مان کر ان ہستیوں سے ڈرنا شروع کر دیا کہ یہ کہیں ہماری نعمتیں ہم سے چھین نہ لیں۔ نفع اور نقصان پہنچانے کا مکمل اختیار

صرف اور صرف ایک اللہ کے پاس ہے اس مضمون کو اللہ کریم نے قرآن میں بارہا مقامات پر واضح فرمایا۔

سورۃ ال یونس آیت 107

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

"اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرلے تو

کوئی اس کے فضل کو ہٹانے والا نہیں، وہ اسے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے اور وہی بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے‘‘

اور جہاں تک اللہ کے علاوہ کسی اور سے مدد مانگنے کا تعلق ہے تو جہاں اللہ کریم نہ ملے یا مدد نہ کر سکے وہاں کسی اور کو مدد کے لیے بے شک بلا لیں۔ کچھ مسلمان بھی مشرکین مکہ کی طرح اپنی ان ہستیوں کو اللہ کے ہاں سفارشی مانتے ہیں کہ اللہ ہماری مانتا نہیں ان کی موڑتا نہیں۔ یہ انتہائی مشرکانہ عقیدہ ہے اورر اللہ عزوجل کی انتہائی گستاخی ہے ساری مخلوقات اللہ کے سامنے مجبور ہیں اللہ کسی کے سامنے مجبور نہیں۔ اس کا تفصیلی ذکر وسیلہ کی بحث میں آرہا ہے۔

توحید فی العلم

اس توحید کا مطلب یہ ہے کہ سارے کا سارا علم صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے۔ اللہ جیسا علم اس کی مخلوق میں سے کسی کے پاس ہونا تو بہت دور کی بات اس کے عطا کردہ علم میں سے کسی شے کا مکمل ادراک کسی کے بھی بس کی بات نہیں۔ آیتہ الکرسی میں اللہ کریم نے فرمایا

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ

''وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے مگر جتنا وہ چاہے''

انسانوں میں سے انبیاء کرام سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں لیکن وہ بھی بس اتنا ہی جتنا اللہ کریم وحی کے ذریعے انہیں بتاتے ہیں ۔

آج کے سائنسدادن ایک چیز کے متعلق مکمل ادراک کا دعوی کرتے ہیں اور کچھ ہی سالوں بعد ان کی تحقیق غلط ثابت ہو جاتی ہے اور نئے لوگوں پر نئے راز کھلتے ہیں ۔

اس میں شرک یہ ہے کہ جیسے کافر کاہنوں، نجومیوں کے پاس جاتے تاکہ پیش آمدہ حالات کی آگہی حاصل کر سکیں ۔ اور مسلمانوں نے محمد ﷺ کے علم کے بارے کان و مایکون کا عقیدہ گھڑ لیا۔ حالانکہ اللہ کریم نے قرآن میں واضح فرمایا کہ عالم الغیب صرف اللہ ہے ۔ سورۃ النمل آیت 65، سورۃ الانعام آیت 59 اور سورۃ الجن آیت 26

وسیلہ

توحید کی آخری اور سب سے اہم قسم توحید فی الحکم بیان کرنے سے پہلے وسیلہ کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اس وسیلے کی غلط تشریح نے عقیدہ توحید پر بڑی کاری ضرب لگائی ہے۔

وسیلہ جس کا اصل مطلب اپنے نیک اعمال کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا تھا جیسے بخاری کی وہ روایت جس میں تین لوگ غار میں پھنس گئے اور اپنے خالصتاً اللہ کے لیے کیے ہوئے نیک عمل کو اللہ کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کیا لیکن لوگوں نے اردو زبان کا لفظ سمجھتے ہوئے لوگ تلاش کرنے شروع کر دیے اور پیری مریدی کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ اللہ براہ راست دعا قبول نہیں کرتا اس کے لیے کسی کا

وسیلہ ہونا ضروری ہے ۔ اسے فوت شدہ انبیاء ، اولیاء کا واسطہ قرار

دے دیا ۔ اس وسیلہ کی حقیقت بھی کتاب ''توحید اور ہم'' میں خوب

بیان کی گئی ہے .جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں ان کا رابطہ اس دنیا کے

لوگوں سے قطعی طور پر منقطع ہو جاتا ہے صرف اللہ ہی حی و قیوم ہے

زندہ و جاوید ہے اگر کوئی قرآن میں موجود عیسی علیہ السلام ، عزیر علیہ

السلام اور اصحاب کہف کے واقعات کے باوجود بضد ہے کہ نہیں

اس کا پیر زندہ ہے تو آج کے گدی نشینوں نے ہی کل کا پیر بننا ہے

اور نیند بھی موت کی ایک قسم ہے اپنے کسی بھی گدی نشین کو جب

کہ وہ سو رہا ہو کوئی بات کرو اور بیدار کر کے پوچھو کہ کیا آپ نے سنا جو

میں نے کہا ؟ اگر جواب ہاں میں مل جائے تو پھر بے شک اپنے

عقیدے پر رہو کہ ضد کا کوئی علاج نہیں ۔ جہاں تک خواب کا تعلق

ہے کہ فلاں بزرگ خواب میں آئے اور میرے کسی حالیہ مسئلہ پر

میری رہنمائی کی تو اس کا جواب میرے استاد محترم مفتی اسحق رحمتہ اللہ

علیہ نے کیا خوب دیا کہ ہمیں کچھ ایسے لوگ بھی خواب میں نظر آتے

ہیں جو زندہ ہیں ایسے لوگوں سے صبح جا کر سوال کرو کہ آپ میرے

خواب میں آئے تھے کیا آپ کو معلوم ہے ؟ جواب نہ ہی آئے

گا۔ اور جہاں تک دعا کا تعلق ہے تو میرے بھائیو دعا اللہ کریم سب کی

سنتا ہے ۔ زندہ لوگوں سے دعا کروانا یہ اگرچہ جائز ہے لیکن یہ یقین

رکھنا کہ فلاں بزرگ کی بات اللہ کریم ضرور قبول کرے گا یہ بھی شرک

کی پہلی سیڑھی ہے ۔ کائنات کے سب سے عظیم انسان محمد کریم

ﷺ نے بھی اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی بے بسی کا اظہار فرمایا۔ ستر حفاظ کرام صحابہ کو شہید کرنے والوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ قنوت فرماتے رہے لیکن قبول نہ ہوئی۔ اسی طرح اللہ کریم نے نوح علیہ السلام کی دعا بیٹے کے حق میں قبول نہ فرمائی۔ کسی نبی علیہ السلام نے یہ دعوی کبھی بھی نہیں کیا کہ وہ جو بھی دعا کرے گا فوراً قبول ہو جائے گی۔ لیکن آج کے پیر یہ دعوے اکثر کرتے نظر آئیں گے اور اسی وجہ سے بے شمار لوگ ان کے آستانوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ وہ مال کہ اللہ نے جسے یتیموں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا وہ مال ان پیروں اور ان کی نالائق

اولادوں کی عیاشیوں پر خرچ ہوتا ہے اور یتیم و مسکین و بیوائیں سب

اپنی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ترستے رہے ۔

یہ عقیدہ کہ اللہ کے کچھ بندوں کی خوشی میں اللہ کی خوشی ہے اور

انہیں ناراض کرنے سے اللہ ناراض ہو جائے گا تو وحشی رضی اللہ عنہ

نے رسول اللہ ﷺ کے چچا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا

لیکن اللہ نے انہیں اسلام کی دولت عطا فرمائی ۔

میرے بھائیو ہمیں پیدا اللہ نے کیا ماں کے پیٹ سے لے کر لحد تک

ہماری ساری ضرورتیں اللہ نے پوری فرمائیں ۔ ہمارے لیے بے شمار

نعمتیں اللہ نے پیدا کیں کسی نبی ، پیر، ولی کا اس میں رتی برابر بھی

عمل دخل نہیں ۔ جس اللہ کریم نے ہمیں بن مانگے بے شمار نعمتیں

عطا فرمائی ہیں جو نعمت نہیں ملی اس کا سوال بھی اسی اللہ سے ہی کرنا چاہیے۔ رسولوں، انبیاء، صحابہ اور اولیاء سے محبت ضرور لیکن جب ذکر اللہ کا آجائے تو پھر اللہ کے مقابل کسی کا نام بھی نہیں لینا۔

لوگوں کو توسل سمجھنے میں غلطی کہاں سے لگی۔ مسجد الحرام اور مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز کا ثواب دیگر مساجد سے زیادہ، رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک باعث شفاء اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے معجزات اور صحابہ کرام کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والی کرامات سے لوگوں نے سمجھا کہ ان ہستیوں کا توسل بہت ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی (زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ کو یہ پیغام دے کر بلا بھیجا کہ میرے بیٹے یا بیٹی کے موت کا وقت قریب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اس وقت میں اور سعد اور میرا خیال ہے کہ ابی بھی آپ کے ساتھ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواباً) سلام کہلا بھیجا، اور فرمایا: ان سے (جا کر) کہو کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو چیز کہ وہ لے، اور اسی کی ہے جو چیز کہ وہ دے، ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے ۔ پھر زینب رضی اللہ عنہا نے دوبارہ بلا بھیجا اور قسم دے کر کہلایا کہ آپ ضرور تشریف لائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، بچہ آپ کی گود میں رکھا گیا، اس کی سانس تیز تیز چل رہی تھی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں بہ پڑیں، سعد نے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم سے کہا: یہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ رحمت ہے، اللہ جس کے دل میں چاہتا ہے اسے ڈال دیتا ہے، اور اللہ انہیں بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں کے لیے رحم دل ہوتے ہیں ۔ سنن ابو داود حدیث 3125

توسل کے حوالے سے جو چیزیں ثابت ہیں انہیں ماننا بہر حال جائز ہے لیکن عقیدہ کی درستگی بہت ضروری ہے جیسے عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تم ایک پتھر ہو مجھے نہ تو کوئی نفع دے سکتے نہ نقصان میں تمہیں بوسہ محض اس لیے دے رہا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

معجزات اور کرامات بہرحال ثابت ہیں لیکن یہ بات بھی ثابت ہے
کہ یہ دونوں اللہ کی منشاء پر محمول ہیں کسی بنی علیہ السلام یا ولی کا ذاتی
کچھ اختیار نہیں ۔ سورۃ الرعد کی آیت 38 میں اللہ کریم نے فرمایا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَمَا
كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے کئی رسول تجھ سے پہلے بھیجے اور ان کے
لیے بیویاں اور بچے بنائے اور کسی رسول کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ
کوئی نشانی لے آتا، مگر اللہ کے اذن سے ۔ ہر وقت کے لیے ایک
کتاب ہے ۔''

توحید فی الحکم

توحید کی متذکرہ بالا تمام قسمیں واقعی بہت اہم ہیں لیکن ان کو ماننے کا ثمر آخرت میں ملے گا دنیا میں لوگ ان سب کا انکار کر کے بھی تقریباً پوری دنیا کے وسائل پر قابض ہیں۔ اور جو کوئی توحید کی ان قسموں میں شرک کرے گا تو وہ زیادہ تر اپنا ذاتی نقصان ہی کرے گا۔ دوسرے لوگ اس کے شر سے بہر حال محفوظ رہیں گے۔

توحید کی دیگر تمام قسمیں تو محض دعوے ہیں کیا کوئی شخص حقیقی طور پر توحید کی ان تمام قسمون کا قائل ہے یا نہیں۔ توحید فی الحکم یہ فیصلہ کرے گی۔

اگر آپ فرض کریں کہ زمین پر کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو کسی کو اللہ کا بیٹا، بیٹی یا اللہ کا کوئی جزو سمجھے عقیدہ وحدت الوجود اور وحدت الشھود کا سبھی مکمل انکار کردیں۔ کہ نہ تو کسی چیز میں رب موجود ہے اور نہ ہی خدا کسی انسان کی صورت میں دنیا میں آسکتا ہے اللہ سورۃ اخلاص کے اپنے تعارف کی طرح ایک اکیلا یکتا ہے۔

اسی طرح اگر ہم سب اہل زمین صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، کرنی بھرنی والا ہر قسم کے نفع ونقصان کا مالک صرف ایک اللہ کو مانیں اس کی کسی صفت کو کسی دوسرے میں اس جیسا نہ مانیں ہر چیز کا حقیقی علم صرف اللہ ہی جانتا ہے صرف وہی عالم الغیب ہے کیا یہ سارے عقائد مجھے میرے بنیادی حقوق دلا

سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں ۔ جب تک حکوت ایسے شخص کے پاس نہ ہو جو خود کو اس زمین پر اللہ کا نمائندہ سمجھے اور ہر کام میں اللہ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا طریقہ دیکھے ۔

جس توحید کی ہمیں اس دنیا میں سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ ہے توحید فی الحکم ۔ اور دنیا میں سب سے زیادہ شرک بھی اسی توحید میں ہوا کہ ہم سب مجبور ہو جاتے ہیں کبھی والدین کے سامنے ، کبھی بیوی بچوں کے سامنے، کبھی دوست احباب کی وجہ سے ، کبھی ذات برادری ، فرقہ وارانہ اور سیاسی تعصب تو اکثر اپنی انا کی جھوٹی تسکین اور خواہشات کی تکمیل کے لیے، اور اللہ کریم کی حدود کی خلاف ورزی کر بیٹھتے ہیں ۔ ہمیں اوپر بیان کیے گئے تعلقات اور اللہ کریم میں سے

ایک کو چننا ہوتا ہے اور ہم اللہ کو چھوڑ کر اس کے غیر کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔یہی توحید فی الحکم ہی تو اصل امتحان ہے توحید فی الذات ، عبادات، صفات کا کہ بندہ اپنے دعووں میں کتنا سچا ہے ۔

توحید فی الحکم سے مراد کہ اب آپ کی زندگی میں حکمرانی ، عدالت، معیشت، معاشرت اور تعلیم سب کچھ اللہ کے حکم کے مطابق ہو گا۔

وجود باری تعالیٰ ماننے اور منوانے کی سب سے بڑی دلیل کہ جو ہر انسان کو مجبور کر دیتی ہے وہ ہے اس زمین پر رہتے ہوئے اپنے جان ، عزت اور مال کا تحفظ، جیسے اوپر طویل بحث اسی موضوع پر کی کہ ان کا تحفظ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کو رائج کرنے ہی کی صورت میں ممکن ہے ۔

اس زمین پر حکومت ہوگی تو صرف اور صرف ایک اللہ کی۔ قانون اور حکم چلے گا تو صرف اللہ کا۔ اللہ کے حکم کے مقابل کسی کی کچھ اوقات نہیں لیکن اس معاملے میں ہم اپنے اسلاف سے یکسر مختلف ہیں۔ ہم بندوں کی غلامی کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے۔ وزیر، مشیر، ایم این اے، ایم پی اے، ججز، بیوروکریسی وغیرہ کے ساتھ تعلقات پر فخر محسوس کرتے ہیں ان تعلقات کو استوار کرنے اور مستحکم رکھنے میں اپنی عمر گزار دیتے ہیں۔ اس نسل در نسل غلامی کا مشاہدہ پورے پاکستان میں کیا جا سکتا ہے۔ تو جس توحید نے ہمیں دنیا کے لوگوں سے بے خوف کرنا تھا اسے تو ہم سمجھ ہی نہ سکے۔ یہ غلامی ہم سب میں موجود ہے اور بدرجہ ء اتم موجود ہے۔ یہی پہلا اور بنیادی

فرق ہے ہمارا ہمارے اسلاف کے ساتھ، وہ توحید فی الحکم صحیح معنوں میں سمجھ کر لوگوں کی غلامی سے آزاد ہوئے اور ہم خود کو مواحد بھی کہتے ہیں اور حاکموں کی دمیں بھی پکڑ رکھی ہیں۔ ان کی غلامی کے طوق اپنے گلوں میں ڈال کر فخر محسوس کرتے ہیں انہی کو حاجت روا اور مشکل کشا مانتے ہیں یہی ہماری کرنی بھرنی والے ہیں۔ ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ جن کے تعلقات ان لوگوں کے ساتھ مضبوط ہوتے ہیں جو سیاسی فنڈ کی صورت میں چڑھاوے چڑھاتے رہتے ہیں۔ ان کی زندہ باد کی حمد کرتے رہتے ہیں ان کے جائز و ناجائز کام باقیوں سے پہلے ہو جاتے ہیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ ہم نے ان حاکموں کی صورت

میں زمین پر چھوٹے چھوٹے خدا بنا رکھے ہیں جن کی ہر غلط صحیح بات کے آگے ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

جمہوریت کے لبادے میں چھپی ملوکیت میں پھر بھی حالات کچھ بہتر ہوتے ہیں اب تو خیر اس کا پردہ بھی اتر چکا بہر حال ملوکیت میں تو جیسے حاکم واقعی زمین پر خود کو خدا سمجھ بیٹھتا ہے کوئی اس کے سامنے کلمہ حق کہنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میرے استاد محترم مفتی اسحق رحمتہ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے تھے کہ ایک طرف ان حاکموں نے ہمیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے تو دوسری طرف علمائے کرام سے اختلاف بندہ کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

جب تک وہ آزادی جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین المہدیین علیہم السلام کے دور میں تھی وہ مہیا نہ کی جائے توحید ماننے کا ہمیں اس دنیا پر کوئی فائدہ نہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننے میں توقف کیا ان کے خلاف کوئی کاروائی عمل میں نہ لائی گئی۔ انصاری نوجوانوں نے تقسیم کے بارے بات کی رسول اللہ ﷺ نے کسی کا کورٹ مارشل نہیں کیا، اعدل یا محمد ﷺ کہنے والے کے خلاف کوئی کاروائی عمل میں نہ لائی گئی۔ خلفائے راشدین کے دور میں خلفاء سے سوال کرنے کی ان گنت مثالیں موجود ہیں جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منکرین زکوٰۃ کے خلافت قتال سے روکا۔ علی

علیہ السلام اور عبد ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حج تمتع عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کے باوجود کیا۔ مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کے وقت منقش پتھر کے استعمال پر عثمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا۔ جمل اور صفین کے موقع پر کئی اصحاب نے علی علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا۔ یہ آزادی آج کے اس دور میں دیکھنا ناممکن ہے۔ کیونکہ ہم نے توحید کو صرف مردوں کے انکار کی حد تک محدود کر دیا۔

جس جس نے بھی اس زمین پر اللہ کی حکومت قائم کی اسے آخرت میں تو اللہ کریم مقام محمود و اعراف دیں گے دنیا میں بھی ان کی تکریم دیگر سے کہیں زیادہ ہے جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام و مرتبہ دیگر انبیائے کرام سے اعلی و ارفع ہے اس توحید فی الحکم کو دنیا پر

قائم کرنے میں آپ ایک مثال ہیں اسی وجہ سے مقام محمود کے

مستحق۔ زمین پر تمام لوگوں ایک اللہ کے قانون کے سامنے جھکا دیا

اسی طرح امتوں میں جو درجہ خلفائے راشدین المہدین ابوبکر صدیق، عمر

ابن الخطاب، عثمان ابن عفان، علی ابن ابی طالب، حسن ابن علی

علیہم السلام کا ہے وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آیا کہ ان کی

حکومت علی منہاج النبوۃ ﷺ ہے۔ حسن و حسین علیہم السلام کی

جنت کی سرداری کا اعلان اسی دنیا میں ہی کر دیا گیا کہ دونوں نے

اس زمین پر اللہ کی حکومت کے قیام کے لیے قربانی دی حسن علیہ

السلام نے اپنی حکومت کو چھوڑا اور حسین علیہ السلام نے جان،

مال، گھر بار، جائداد اور اپنا پورا کنبہ اپنے دوست، اللہ کی حکومت کے

قیام کی خاطر قربان کر دیے اسی طرح مہدی علیہ السلام کہ وہ پھر سے خلافت علی منہاج النبوۃ ﷺ قائم کریں گے ۔

جیسے اوپر عرض کیا کہ خدا ماننے سے مراد حکم ماننا ہے تو سب سے اہم توحید زندہ انسانوں کو زمین پر خدا ماننے سے مکمل انکار سے متعلق ہے اور اللہ کی اس زمین پر ایک اللہ کے حکم کے نفاذ کی کوشش ہے تو اس کے بعد مردہ لوگوں کو خدا ماننے یا خدائی صفات کا حامل ماننے کا مکمل انکار ہے ۔

توحید فی الحکم میں ہی شامل ہیں بقیہ چار ارکان نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کہ جو اللہ کو ماننے کے ساتھ ساتھ اللہ کی مانے گا وہ ان تمام امور کو اپنی زندگی کا باقاعدہ حصہ ضرور بنائے گا۔

ہمارے اس معاشرے میں اس توحید کا بیان سب سے زیادہ مشکل ہے اسی لیے ممبر اس بیان سے خالی ہیں جس نے بھی اس توحید پر گفتگو کی ملاں ملڑی الائنس اس کے مقابلے میں آیا اور کسی کو گستاخ صحابہ بنا دیا کسی کو شرابی تو کسی پر ختم نبوت کا منکر ہونے کا جھوٹا الزام جڑ دیا تاکہ لوگ ان کی گفتگو سننے سے باز رہیں۔

یہ توحید فی الحکم توحید کی دیگر قسموں سے اس طرح بھی مختلف ہے کہ دیگر قسموں کا تعلق محض ماننے سے ہے اور اس توحید کا تعلق رائج کرنے سے ہے اگر یہ توحید رائج نہیں تو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے وہ ثمرات قطعاً حاصل نہیں ہو سکتے جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں حاصل تھے۔

نماز

اذان اور تکبیر کے کلمے کتنے؟ نیت لفظوں سے یا دل میں، فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین، ہاتھ باندھے یا کھولے، شہادت ثالثہ واجب یا بدعت وغیرہ وغیرہ یہ ہے ہم مسلمانوں کی کمائی نماز سے۔

کسی بھی ایک گروہ کی نماز اس زمین کے تمام مسلمانوں پر مکمل رائج کر دینے سے کیا ہو جائے گا۔ کیا ہمیں ہمارے حقوق مل جائیں گے؟ کیا دنیا سے ظلم و زیادتی ختم ہو جائے گی؟

نماز اصل میں پانچ وقت خود کو اللہ کا غلام ماننے کا اظہار ہے کہ اگر اللہ کریم نے کوئی نعمت مال و دولت، عہدہ، جسمانی طاقت وغیرہ ضرورت سے زیادہ دے ہی دیا ہے تو زمین پر خود کو خدا نہ سمجھ بیٹھو بلکہ دن میں

5 مرتبہ منادی اعلان کرتا کہ اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ ہی ایک اکیلا بادشاہ و شہنشاہ ہے اور ہر مومن کو یہ حکم ہے کہ 34 مرتبہ ہر روز اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر لوگوں کے سامنے ایک اکیلے اللہ کا غلام ہونے کا اعلان کرو۔ اور پھر زمین میں پھیل جاو اور اس غلامی کو اپنے معاملات میں یاد رکھو۔ لیکن ہم پیشانی خاک پر رکھ کر خود کو ایک اللہ کا غلام بھی کہتے ہیں اور لوگوں کے سامنے ہمارا رویہ فرعون و نمرود جیسا ہوتا ہے۔ العیاذ و باللہ

تو نماز کی روح ہمیں دن میں پانچ مرتبہ یہ یاد دلانا ہے کہ ہم اللہ کے غلام ہیں خود کو آقا نہ سمجھ بیٹھیں۔ اس کے علاوہ نماز باجماعت کی فرضیت ہمیں سوشل بناتی ہے کہ گھر میں قید ہو کر زندگی گزارنا یہ

رہبانیت اللہ کو ہرگز قبول نہیں ۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں مسجد حکمران کا دفتر تھا ہر خاص و عام بلا جھجھک حاکم کے سامنے اپنا مسئلہ رکھ سکتا تھا اور حاکم خود یا لوگوں کی مدد سے اس کا مسئلہ حل کر دیتا تھا۔ اس کے علاوہ ہمیں مسجد جا کر لوگوں کے چہرے دیکھنے چاہییں کہ کچھ سفید پوش زبان سے کچھ نہیں کہتے لیکن ان کی داستان غم ان کے چہرے پر لکھی ہوتی ہے۔ یہ تھی نماز جسے آج ہم نے مذہبی رسم بنا کر رکھ دیا۔ دل و دماغ ہمارے دنیوی معاملات میں اٹکے ہوتے ہیں اور ہم چند منٹ مسجد گزار کر سمجھتے ہیں کہ اس فرض کا حق ادا ہوگیا۔

وہی نظام جب تک نہ آئے گا جس میں امام مسجد معاشرے کا سب سے طاقت ور اور با اختیار شخص ہو گا جیسے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے

راشدین کے دور میں تھے تب لوگ بڑی توجہ سے اس کی بات سنیں گے اور اس کی باتوں کو قانون کی حیثیت دیں گے کیوں کہ وہ وہی بیان کرے گا جو اللہ کا فرمان ہو گا یا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہو گا۔

قصہ مختصر یہ کہ جو نماز لوگوں کے دینوی اور آخرت کے مسائل حل کرتی تھی ہم نے اسے صرف آخرت کے لیے مختص کر دیا۔ اور اپنی دنیا ایسے لوگوں کے سپرد کر دی جن کی وضع قطع، رہن سہن اور معاملات سے اسلام کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔

روزہ

اللہ کریم سال میں ایک ماہ کے لیے کچھ گھنٹوں کے لیے ہمیں بھوکا اور پیاسا رکھ کر ہمارے اندر بھوک اور پیاس کا احساس پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کس قدر مشکل کام ہے ، چاہیے تو یہ تھا کہ ہم پہلے روزے کے بعد ہی ان بھوکوں اور پیاسوں کی فکر میں لگ جاتے جو یہ مشکل سارا سال برداشت کرتے ہیں ۔ اللہ کریم نے اپنی بے شمار نعمتیں ہر انسان کو خود عطا کی ہیں اکثریت بن مانگے بس ایک مال کی ذمہ داری مال دار مسلمانوں کی لگائی ہے کہ اس میں امتحان مقصود ہے مال داروں کا بھی اور غرباء کا بھی ۔ علاوہ ازیں نظام کائنات چلانے

کے لیے بھی ضروری ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔

روزہ ہماری تربیت ہے کہ ہم نے خواہش ہونے کے باوجود، چیزوں کے میسر ہونے کے باوجود اللہ کی حدوں کو نہیں توڑنا لیکن افسوس ہم نے اس تربیت کو صرف کھانے پینے تک محدود کر دیا اور روزہ رکھ کر بھی ہم اللہ کی حدیں پامال کر رہے ہوتے ہیں گناہ کے کام کر رہے ہوتے ہیں مخلوق پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی رمضان کے مہینے میں افطاری کا فیشن بھی خوب کیا جاتا ہے اور اس کا مقصد اللہ کی رضا کی بجائے امیروں، عہدے داروں کی چاپلوسی ہوتی ہے۔ غریبوں کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ

زکوٰۃ

زکوٰۃ، صدقات، فطر اور عشر اسلامی نظام حکومت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ لیکن ہمارے حکمرانوں نے اللہ کریم کے اس معاشی اور معاشرتی نظام کو چھوڑ کر ٹیکسز کا نظام رائج کیا۔ علما کرام نے اس کی اصلاح کی بجائے زکوٰۃ خود جمع اور خود ہی پر خرچ کرنی شروع کر دی نتیجہ یہ نکلا کہ ٹیکس کا پیسہ حکمرانوں کی عیاشیوں پر خرچ ہوا اور زکوٰۃ ،صدقات وغیرہ کا پیسہ علما کرام، ذاکرین،مدیران مدرسہ کی عیاشیوں پر خرچ ہوا ۔ غریب بے چارہ نہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا۔

زکوٰۃ کہ اس کی اصل روح ہمارے دلوں سے مال کی فطری محبت کو کم کرنا تھا اور اس بات کا اعلان کرنا تھا کہ یہ مال مجھے اللہ کریم نے عطا

فرمایا ہے اور یہ اسی کا ہے اسی کے حکم پر خرچ ہو گا لیکن ہماری
اکثریت تو قارون کی طرح اسے اپنے قابلیت کا شاخسانہ سمجھتی ہے اور
غرباء سے اسے روک لیتے ہیں۔

حج

حج کا مقصد اگر بیت اللہ کی تعظیم، طواف اور صفا مروہ کی سعی ہوتا تو یہ
کام تو ہم عمرہ میں بھی کرتے ہیں کچھ خاص دنوں میں دنیا بھر کے
مسلمانوں کو اکٹھا کرنا اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ جس طرح ہم دیگر
عبادات پر محض رسمی عمل کرتے ہیں حج کے ساتھ بھی ہم نے
یہی سلوک کیا اور جس طرح ہم دیگر عبادات کے حقیقی ثمرات حاصل
کرنے سے قاصر رہے اسی طرح حج نے بھی مسلمانوں کی کچھ حالت

نہ بدلی۔ اسلام دنیا پر غالب ہونے اور غالب رہنے کے لیے آیا ہے

یہ حجروں اور خانقاہوں تک محدود چلوں کا مذہب ہرگز نہیں ۔

رہبانیت اسلام میں کفر ہے۔ ہاں اگر حالات اس قدر بے قابو ہو

جائیں کہ دوسروں کو بچانے کے چکر میں اپنا ایمان خطرے میں لگے تو

اس معاشرے سے الگ ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ جب تک

ہم اعلائے کلمۃاللہ مطلب اللہ ہی سپریم اتھارٹی ہے کو نہیں سمجھیں

گے ہمیں حج سمجھ نہیں آئے گا کہ کیوں اللہ کریم ہم سے ہماری کمائی

کا ایک بہت بڑا حصہ اور یہ انتہائی مشکل سفر کروانا چاہتا ہے۔

دنیا کے حکمران اپنی فوجوں کی طاقت دکھانے کے لیے ان کی پریڈ

کرواتے ہیں جس میں وہ اپنے فوجیوں کی قوت اور اسلحہ کی نمائش

کرتے ہیں تاکہ ان کی مخالفت کرنے والوں کے دلوں میں رعب پیدا ہو۔ اکثر مسلمان ریاستوں نے بھی ان کی نقالی کی اور بینڈ باجوں کے ساتھ پریڈ کا ایک دن منانا شروع کر دیا۔

حج مسلمانوں کی قوت اور طاقت کی نمائش ہے اللہ کے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈالنے کا باعث ہے ۔ ہماری وحدت و مرکزیت کا عکاس ہے کہ ہم مسلمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والے سب ایک ہیں ۔ احرام کی دو چادریں اس بات کی دلیل ہیں کہ ہم اللہ کے دین کی خاطر ہر وقت سر بکفن ہیں اور زہد ہمارا شعار ہے ہمیں دنیا کے مال و دولت کی کچھ چاہت نہیں ۔تلبیہ جہاں اس کائنات پر ایک اللہ کی بلا شرکت غیر ہمارا جنگی ترانہ ہے وہیں یہ

اعلان بھی ہے کہ ہماری زبانیں ، ہمارے رنگ ہماری ذات برادریاں اگرچہ مختلف صحیح لیکن اس دین کی خاطر ہم ایک ہیں۔

حج اس بات کا اعلان بھی ہے کہ ہمارا اصل دارالحکومت خانہ کعبہ بیت اللہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ لاکھوں مسلمان ہر سال کر رہے ہیں لیکن کافر کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اسے ہمارے اس اتنے بڑے لشکر سے کچھ خوف نہیں آتا۔

وجہ بڑی سادہ سی ہے کہ کافر جانتے ہیں کہ یہ محض ہمارے کھوکھلے نعرے ہیں۔ اس وقت اگرچہ یہ احرام کی دو سوتی چادروں میں ہیں لیکن گوچی اور ارمانی کے سوٹ انہیں بڑی آسانی سے مرعوب

کرتے ہیں ۔ ان کی زندگیاں دنیا طلبی میں گزر رہی ہیں اور اس معاملے

میں یہ اسلام تو دور انسانیت کے عام فہم اخلاقی اصولوں کو بھی

روندنے سے گریز نہیں کرتے ۔ یہ بظاہر ایک جیسے نظر آرہے ہیں

لیکن یہ ملکوں، فرقوں ، سیاسی اور مذہبی جماعتوں، لسانیت ،صوبائیت ،

ذات پات ، امیری اور غیریبی کے فرق میں اتنے تقسیم ہو چکے ہیں

کہ کسی بھی چیز پر متحد نہیں ہو سکتے۔ان کا بیت اللہ کو وحدت اور مرکز

کہنا بس استعارہ ہی ہے۔اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ۔

تلبیہ میں لبیک کی صدائیں بس لفظوں تک ہی محدود ہیں ماں باپ

، بیوی بچے، گھر کاروبار، دوست اور رشتہ داروں کی محبت نے انہیں

بہت بری طرح جکڑ رکھا ہے یہ اللہ کے دین کی خاطر ان چیزوں کو

عارضی تو چھوڑ سکتے ہیں لیکن مستقل ہرگز نہیں۔ عارضی مطلب جب انہیں واپسی کا یقین ہو اور اس میں موجود لک والمک ان کا جنگی ترانہ ہرگز نہیں بلکہ یہ تو اس زمین پر خود کو حکمران دیکھنا چاہتے ہیں اور اس مذموم مقصد کی خاطر باپ بیٹے کا خون بہا سکتا ہے اور بیٹا باپ کا۔ عہدوں کی خاطر یہ اپنی اخلاقیات کا جنازہ اپنے کندھوں پر خود اٹھا سکتے ہیں۔

لیکن ہمارے لبرل دوست تو یہی کہیں گے کہ چونکہ کافروں کے پاس جدید ٹیکنالوجیز ہیں اس لیے مسلمان ان کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں بلکہ اللہ نے قرآن میں مسلمانوں پر کافروں کے جنگی تیاری کو فرض قرار دیا ہے۔ سورۃ انفال کی آیت 60 میں فرمان باری تعالی ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ج

''اور ان کے لیے جتنی کر سکو قوت کی صورت میں اور تیار بندھے گھوڑوں کی صورت میں تیاری رکھو، جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو ڈراو گے اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں کو بھی''

اللہ کا شکر ہے کہ اللہ کریم نے مسلمانوں کو آلات حرب سے خوب نواز رکھا ہے لیکن ان آلات حرب پر نہ تو بھروسہ کرنا درست ہے اور نہ ہی ان آلات حرب کو جنگ کی فتح و شکست کا ضامن خیال کرنا اسلامی تعلیمات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سنن ابو داود کی حدیث نمبر 4297 میں فرمایا

”قریب ہے کہ دیگر قومیں تم پر ایسے ہی ٹوٹ پڑیں جیسے کھانے والے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں تو ایک کہنے والے نے کہا: کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم اس وقت بہت ہو گے، لیکن تم سیلاب کی جھاگ کے مانند ہو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہارا

خوف نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں «وہن» ڈال دے گا تو ایک کہنے والے نے کہا: اللہ کے رسول! «وہن» کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ٹیکنالوجی کی عدم دستیابی کو مسلمانوں کی کمزوری قرار نہیں دیا بلکہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہماری اصل کمزوری ہے۔

جہاد

بات اسلام کی ہو اور جہاد کا ذکر نہ ہو سخت ناانصافی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ قرآن و سنت سے لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں ہی اس

عظیم عبادت کے حکم، ذکر اور فضائل سے پر ہیں۔ اللہ کریم نے
اسے دیگر عبادات جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی طرح فرض قرار دیا اور
رسول اللہ ﷺ نے سنن ابن ماجہ کی حدیث 3973 میں جہاد کو
اسلام کی کوہان اور چوٹی قرار دیا۔ اس کا مختصر تعارف توجہ کے
موضوع میں ہو چکا ہے لیکن جہاد اس قدر اہم ہے اور اس قدر غلط پیش
کیا گیا ہے کہ اس کا الگ سے تفصیلی ذکر تمام انسانوں کے لیے
بہت ضروری ہے۔

دیگر اراکین اسلام کی طرح جہاد کو بھی مسلمانوں اور کافروں نے اپنے
مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ کافروں میں سے جو اسلام کا علم
رکھتے ہیں اور اس کی چودہ سو سال پرانی تاریخ سے واقف ہیں وہ

خوب جانتے ہیں کہ جہاد ان کی عیاشیوں اور مخلوق خدا پر مظالم کے
خاتمے کی جدوجہد کا نام ہے لیکن انہوں نے بھولے بھالے کافروں
کو جہاد، کافروں کا قتال اور خون خرابہ بتایا۔ کافروں کا یہ کہنا کسی حد
تک درست اس لیے ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے بھی اس عظیم
الشان عبادت کو اپنی ذاتی حکوت کے قیام، زمین کے وسائل پر قبضے
کے لیے استعمال کیا۔

جہاد کا لغوی معنی کوشش کرنے کے ہیں ۔ اور اصطلاح کے طور پر جہاد
کا مطلب اعلائے کلمۃ اللہ کی کوشش کرنا ۔ اس زمین کے تمام لوگوں کو
انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر ایک اللہ جو اس کائنات کا مالک و

خالق و رازق ہے اس کا غلام بنانا۔ زمین پر صرف اور صرف ایک اللہ کی حکومت کو قائم کرنا۔ کہ لوگ ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق کریں۔

اوپر بیان کردہ پانچوں اراکین کی حقیقی روح اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اسلام کی حکومت نہ ہو۔ اگر اسلام کی حکومت نہیں تو یہ تمام اراکین محض عبادات کا مجموعہ جوکہ حجروں تک محدود ہیں اور یہی رہبانیت ہے۔ اسلام اس کی اجازت قطعاً نہیں دیتا۔ بلکہ ہر مسلمان پر اس دین کو دنیا پر رائج کرنے کی کوشش فرض ہے۔ زور بازو سے اگر ممکن نہیں تو بندوں کی غلامی سے نجات کے لیے آواز بلند کرو اگر یہ بھی ممکن نہیں تو دل میں اسے ضرور برا جانو کہ ایمان کا انتہائی کمزور درجہ ہے لیکن اگر آپ لوگوں کی حکمرانی

سے خوش ہیں تو اس سے بڑی منافقت کوئی نہیں۔ میں اپنی
سرکاری نوکری پر اللہ سے معافی کا طلب گار رہوں گا اور دعا گو بھی
رہوں گا کہ اللہ مجھے اس سے آزادی عطا فرمائے۔آمین

آج دنیا کے حالات بدل چکے ہیں لوگ کہنے کو آزاد ہیں اگرچہ حقیقی
آزادی جو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دلائی تھی جس میں ایک
لونڈی بریرہ حاکم وقت رسول اللہ ﷺ کی ذاتی رائے کو ماننے سے
انکار کر دیتی ہے اور اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی کاروائی نہیں
ہوتی۔

آج مغرب جس آزادی پر نازاں ہے اگر ان میں انسانیت کی ذرہ برابر
رمق ہو تو وہ اللہ کریم کا شکر ادا کریں جس نے اپنے رسول محمد ﷺ

کے ذریعے سے انہیں اس بدترین غلامی ملوکیت سے نجات دلائی جس میں غریبوں اور کمزوروں کے حقوق نہ ہونے کے برابر تھے حکمران طبقہ محض عیاش تھا اور ظالم۔

کافروں نے تو آزادی سے خوب فائدہ اٹھایا لیکن مسلمان رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے سنہری دور کے بعد اس خیر سے محروم ہو گئے اور پھر یہی غلامی مسلمانوں کے گلے کا طوق بن گئی کبھی طاقت تو کبھی پیسے کے زور پر لوگوں نے اپنے جیسے انسانوں کو اپنا غلام بنا لیا۔

اگر ہم رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین علیھم السلام کی سیرت کا مطالعہ کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ ان ادوار

میں اگر کوئی بہت بڑا غلام ہے تو وہ خود حاکم ہے لیکن یہ غلامی اللہ کی ہے۔ عام لوگ اپنے روز مرہ کے معاملات گزار رہے ہیں اپنے کاروبار، جائیدادیں بڑھا رہے ہیں پر تعیش زندگی گزار رہے ہیں لیکن حاکم تو سارا وقت مخلوق خدا کی خدمت میں ہے۔ نہ کوئی ذاتی کاروبار، نہ بیوی بچوں کے لیے کھلا وقت اور نہ ہی آسائشات۔ اسلامی نظام حکومت میں اگر سخت ترین زندگی دیکھنی ہے تو حاکم کو دیکھ لیں۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ سے پہلے کے حکمران قیصر و کسریٰ کی زندگی اور رہن سہن دیکھنا ہے تو آج پچاس سے اوپر مسلمان حکمرانوں میں سے کسی ایک کی زندگی کا مطالعہ کر لیں۔ پاکستان میں تو قیصر و کسری آپ کو تھوک کے حساب سے مل جائیں گے۔ سیاسی حکمران، فوجی

حکمران، عدالتی حکمران، بیوروکریسی کے حکمران، مذہبی حکمران،
صحافتی حکمران ، پولیس اور کسٹم کے تو کیا ہی کہنے ہیں الغرض ہر طرف
قیصریت وکسرٰئیت کے ڈیرے ہیں لیکن دعوٰے خدمت خلق کے
اسلامی ٹچ کے ساتھ۔

کافروں اور ان منہ بولے مسلمانوں کی تمیز کیے بغیر ان سب زمینی
خداوں سے مخلوق خدا کو آزادی دلانے کی کوشش کا نام جہاد ہے۔
لیکن ہم مسلم اُمہ کہ ہمیں اپنی قید کی زنجیروں و بیڑیوں سے عشق ہو گیا
ہے اس غلامی پر ہم فخر کرتے ہیں۔ جو کوئی اس غلامی سے نجات
کی بات کرے تو ہمارے حکمران اسے غدار کہتے ہیں اور مفتی ملاں
اسے باغی و کافر۔

میرے استاد محترم کیا خوب کہتے تھے کہ ملاں ملٹری الائنس نے ہمیں

بری طرح سے جکڑ رکھا ہے۔ ملاں نے انتہائی چالاکی سے ان عیاش

حکمرانوں کا آلہ کار بنتے ہوے ہمیں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے

راشدین المھدیین علیم السلام کے دور کی آزادی کی بھنک بھی نہیں

پڑنے دی اور ہمیں چند سطحی مسائل کے پیچھے لگا کر ایک دوسرے

کے خلاف بر سرپیکار رکھا۔

فرقہ واریت اور تقلید

پہلی چیز جو اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت کے قیام میں سب سے

بڑی رکاوٹ بنی وہ ہماری دنیا سے محبت اور موت سے نفرت ہے

جس کی وجہ سے ہم نے جہاد چھوڑا اور ہم اپنی کاروبار، جائدادیں،

عالیشان گھر، گاڑیاں وغیرہ بنانے لگ گئے اور اسی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔ دوسری چیز جس نے کافروں اور ان منہ بولے مسلمان حکمرانوں کو اللہ کی مخلوق کو اپنا غلام بنانے کی کھلی چھٹی دی وہ ہے فرقہ واریت۔

جیسے میں نے حج کے موضوع میں بیان کیا کہ ہماری لاکھوں کروڑوں کی تعداد کافروں کے دلوں میں دہشت پیدا کیوں نہیں کرتی۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اندر سے اس قدر تقسیم ہیں کہ کسی بھی چیز پر اکھٹے نہیں ہو سکتے۔

اللہ کریم نے قرآن میں واضح طور پر سورۃ ال عمران کی آیت 103 میں فرمایا

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضطوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاو

اور اسی طرح دوسرے مقام سورۃ انفال آیت 46

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ

رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو کہ

پھر تم بزدل ہو جاو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے

شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

سچی بات یہی ہے کہ اس فرقہ واریت نے اسلام کے انتہائی خوبصورت چہرے کو گہنا دیا اور غیر مسلموں کے قبول اسلام میں ایک بہت بڑی رکاوٹ بھی بنی۔ وہ دین کہ جس نے اوس و خزرج جیسے کئی عرب قبائل کی خونخوار جنگوں کو ختم کرکے انہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ حکومت کی خاطر شروع رہنے والی جنگوں کو ختم کر کے اس دنیا کو امن کا گہوارہ بنا دیا۔ اس دین کے نام لیوا اب چھوٹے چھوٹے اختلافات پر اپنے بھائیوں کی گردنیں کاٹتے ہیں۔ آپ خود ہی بتائیں کہ ہم کس منہ سے کافروں کو اسلام کی دعوت دے سکتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ اسلام یعنی سلامتی کا ہے اور ہماری تاریخ ہمارے ہاتھوں سے اپنے ہی بھائیوں کے خون سے رنگی ہوئی ہے۔

میرے استاد محترم مفتی اسحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ جن مسائل پر تم لوگ جھگڑ رہے ہو دین اسلام میں ان کی رائی کے برابر بھی اہمیت نہیں۔

واللہ ان مسائل کی کچھ اہمیت نہیں جو اہمیت اس نظام کو رائج کرنے کی ہے۔

سیاسی، فوجی، عدالتی اور مذہبی حکمران کبھی بھی اسے ختم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے کیونکہ وہ مسلمانوں کے درمیان اس پھوٹ اور نفرت کے بینیفشری ہیں۔ وگرنہ مذہب کی تعلیم کو اگر سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں شروع کر دیا جائے، حفظ و ناظرہ اور قرآن و سنت کی تعلیم دی جائے تو فرقہ واریت اپنی موت آپ مر جائے گی

اور لوگ مذہبی حکمرانوں کے چنگل سے مکمل آزاد ہو جائیں گے ۔ اور ہمارے بچے اساتذہ،اور خطیب و امام کی صورت میں باعزت سرکاری روزگار حاصل کر سکیں گے ۔ علماء کرام کو جب یہ فکر نہیں ہو گی کہ مسجد میں نمازیوں کی تعداد کم ہے یا زیادہ۔ مطلب چندہ والے ڈبوں سے جب وہ بے نیاز ہو جائیں گے تو اس نفرت کی شدت میں یقیناً کمی آجائے گی۔

فی الحال ان غاصبوں سے آزادی کی یہی ایک صورت ہے کہ عوام اس ملاں ملٹری الائنس کو پہچانیں خود دین کا مطالعہ کریں اور رسول اللہ ﷺ کی حکوت والی سنت کو پڑھیں سمجھیں علمائے کرام سے سوال کریں اور انہیں مجبور کریں کہ وہ یہ موضوع خطبہ جمہ میں بیان کریں ۔

تب ہی ہم یا ہماری اولادیں مہدی علیہ السلام کے لشکر کا حصہ بنیں گی وگرنہ تو ہم انہی غاصبوں کی طرح چند ٹکوں کے عوض اپنا ایمان بیچتے رہیں گے۔

بحمد اللہ ہر انسان اور خاص طور پر ہر مسلمان کے دل میں اپنے مذہب کے بارے جاننے کا شوق فطری طور پر موجود ہے لیکن جب وہ علماے کرام کے پاس جاتا ہے تو اسے فرقہ وارانہ مسائل کی کثافتوں میں اس قدر الجھا دیا جاتا ہے کہ وہ پوری زندگی ملاں کے اس جال سے نکل ہی نہیں سکتا اور ایوب، ضیا، بھٹو، نواز، شہباز، زرادری اور عمران جیسے کئی حکومت کے مزے لوٹتے رہتے ہیں اور دین اسلام کے سب سے اہم کام رسول اللہ ﷺ کے سب سے اہم سنت

کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ آپ غور کریں کہ ہمیں ابوبکر و علی علیہم السلام کیا افضلیت پر لڑانے والے تمام ملاوں اور ذاکرین نے مریم کی بیعت کر رکھی ہے۔

مسلم اُمہ کو درپیش اس سب سے بڑے مسئلہ یعنی فرقہ واریت کا حل کیا ہے؟ کیا ہم اختلاف کرنا چھوڑ دیں؟ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ یہ ہماری فطرت ہے ہر ایک کا سوچنے کا انداز مختلف ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے پہلے اس کی شروعات اور اصل وجہ کو جاننا پڑے گا۔ آج کی فرقہ واریت تو ملاں کے پیٹ کا مسئلہ ہے اگر حکومت وقت انہیں بھاری بھرکم تنخواہیں ادا کرنا شروع کر دے اور یہ اپنی بقاء کے لیے چندے کا خیال نہ کریں تو یہ ایک دوسرے کے

خلاف آگ اگلنا بند کر دیں گے کہ دوسرے کو کافر کہیں گے تو اپنی

مسجد میں رش زیادہ ہو گا اور زیادہ رش کا مطلب زیادہ چندہ۔

لیکن اگر اس فرقہ واریت کی ابتداء کی بات کی جائے تو میرے استاد

محترم مفتی اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب اس فرقہ واریت کی

اصل وجہ بیان کی۔کہ یہ شروع کیسے ہوئی ۔

کچھ لوگوں نے یہ دعوٰی کیا کہ اس دین کو رسول اللہ ﷺ کے اہلبیت

سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا اور آیت تطہیر اور حدیث کساء کی وجہ

سے انہوں نے محمد ﷺ کے اہلبیت فاطمہ ، علی، حسن اور حسین

علیہم السلام کو مانا اور دین کی ساری تفسیر ان سے یا ان کی اولاد سے

حاصل کی یہ لوگ عقیدہ امامت کے قائل ہیں کہ نبوت کے بعد اب

منصب امامت ہے کہ جس کو ماننا اور پیروی کرنا ضروری ہے۔ یہ لوگ چھٹے امام جعفر الصادق علیہ السلام کی فقہ کو مانتے ہیں اس لیے خود کو جعفری کہتے ہیں۔

کچھ لوگوں نے یہ مانا کہ مدینہ طیبہ کے بے شمار فضائل اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے مسکن ہونے کی وجہ سے مدینہ کے لوگوں جو عمل کرتے ہیں وہی ہمارا دین ہے۔ اس مناسبت سے کچھ لوگ امام مالک علیہ الرحمہ کے پیچھے چلے اور مالکی کہلائے۔

کچھ لوگ شخصیات کے پیچھے چلے کہ رسول اللہ ﷺ جن اصحاب کے فضائل خود بیان فرمائے انہی کے شاگردوں سے ہی دین سیکھنا پڑے گا۔ کوفہ میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کے

بے شمار فضائل ہونے کی وجہ سے کچھ لوگوں نے امام ابو حنیفہ کی پیروی شروع کر دی۔ یہ لوگ حدیث کے ظاہری لفظوں کی بجائے امام صاحب کی تشریح اور تفسیر پر عمل پیرا ہوئے۔

کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے فرامین یعنی احادیث کے پیچھے چلے۔ انہوں نے حدیث کے ظاہری الفاظ کو ہی کافی سمجھا اور اسی پر عمل کیا امام احمد ابن حنبل ایسے لوگوں کے امام بنے۔

امام شافعی ان دونوں کے بین بین ہیں حدیث کے ظاہری مطلب کے ساتھ فقہ اور قیاس پر بھی عمل کیا۔

کچھ لوگوں نے ان شخصیات میں سے کسی ایک کی مکمل پیروی کرنے کی بجائے صرف اور صرف حدیث نبوی ﷺ کو اپنا مذہب

بنایا۔ یہ لوگ غیر مقلدین یا اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں ۔ ان کی زیادہ تر مماثلت امام احمد ابن حنبل کے پیروکاروں کے ساتھ ہے لیکن یہ ان کی طرح کسی ایک امام یا محدث کی پیروی نہیں کرتے بلکہ صحیح حدیث نبوی ﷺ جہاں سے مل جائے وہی ان کا مذہب ہے ۔

حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل اور اس کا مطلب سمجھ کر ظاہری الفاظ کی مخالفت دونوں چیزوں کا جواز صحیح بخاری کی حدیث نمبر 946 میں موجود ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ بنوں قریظہ کے محلے میں پہنچنے سے پہلے کوئی نماز عصر نہ پڑھے ۔ اب کچھ صحابہ نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے نماز نہیں پڑھی

چاہے قضا ہی کیوں نہ ہوجائے اور کچھ نے قضا ہونے کے ڈر سے
محلے پہنچنے سے پہلے ہی پڑھ لی ۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو ملامت
نہیں فرمائی۔

حدیث کی ایسی مخالفت درست ہے یا نہیں ۔ اس وقت تو رسول
اللہ ﷺ خود موجود تھے تو وہ یہ فیصلہ کر سکتے تھے لیکن آج ہم لوگوں کو
اس طرح سے نہیں کرنا چاہیے اور ظاہری الفاظ پر ہی عمل بہتر ہے
وگرنہ تو اختلافات اس قدر زیادہ ہو جائیں گے کہ نام کی بھی وحدت نظر
نہیں آئے گی۔ اور ویسے بھی کچھ تاویلات شیطانی بھی ہوتی ہیں جیسے

سورۃ اعراف کی آیت 20 میں شیطان مردود نے ہمارے ماں باپ کو

ایک فاسد تاویل سے پھسلایا۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ

سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ

تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ

"تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کی ستر کی چیزیں جو ان سے

پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس

درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا

ہمیشہ جیتے نہ رہو"

بہر حال اس سب کچھ کے نتیجے میں جعفری یعنی تشیع، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہل حدیث یہ چھ بنیادی فرقے وجود میں آئے اور پھر بعد میں ان کی ذیلی شاخیں بنتی چلی گئیں۔ ذیلی شاخیں کیوں بنی اس کی وجہ جیسے صرف رسول اللہ ﷺ کی ظاہری بات چھوڑ کر لوگ اماموں کی تشریحات کے پیچھے چلے اور یوں کافی سارے امام بن گئے اسی طرح اماموں کی تشریحات کو سمجھانے کے لیے آگے مزید مجتہد اور مراجع وجود میں آتے گئے اور یوں ہم تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے۔

تمام لوگ خود کو جس فرقے سے منسوب کرتے ہیں اسی کو حق سمجھتے ہیں۔ بات اگر اتنی ہی ہوتی تو کوئی حرج نہیں تھا لیکن خود کو حق اور

جنتی ماننے کے بعد دیگر تمام فرقوں کو باطل اور دوزخی ماننا بھی لازم ٹھہرا۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ دین بڑا ہی آسان ہے اگر ہم خود کو صرف اہم مسائل تک محدود رکھیں اور زیادہ کریدنے کی کوشش نہ کریں وگرنہ تو فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ہی فیصلہ کرنے کے لیے یہ عمر کم پڑ جائے گی کہ اتنی ضخیم کتابیں اور گھنٹوں کے مناظرے اسی ایک موضوع پر موجود ہیں۔ انصاف کی بات یہ بھی ہے کہ اس دین کے کافی مسائل ایسے ہیں جن کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں کہ اس کے لیے کافی محنت درکار ہے لوگوں نے زندگیاں وقف کیں تب وہ ان علوم کے ماہر بنے۔ تو ایک عام آدمی کو بہر

حال کسی نہ کسی پر اعتمار کرنا ہی پڑتا ہے۔ لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس قدر متشدد اور متعصب بنے کہ ہم میں سے کچھ نے اس اعتماد یعنی تقلید کو کفر بنا دیا اور کچھ نے اسے فرض بنا دیا۔

یہ دونوں رویے انتہائی غلط ہیں اللہ کریم نے انسان کو اپنی ان گنت نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور بنیادی کام اس دین کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ذمہ لگایا ہے ۔ اس لیے ہر انسان کو یہ کوشش اپنی استطاعت کے مطابق ضرور کرنی چاہیے۔ یہ قطعاً عقل مندی نہیں کہ ہم زندگی کی آسائشات حاصل کرنے اور جائدادیں بنانے مصروف رہیں اور دین کو یکسر نظر انداز کردیں ۔

اللہ کریم نے ہمیں قرآن میں صرف اور صرف اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت 80

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ

''جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے گا تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا''

فرقہ پرست لوگوں اس آیت کریمہ سے دو انتہائی اہم باتیں سمجھنی چاہییں پہلی یہ کہ رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے یہ

فضیلت صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے اور دوسری
بات یہ کہ ہم سب کے ذمہ صرف بات پہنچانا ہے ہم لوگوں کے
نگہبان ہرگز نہیں۔

اولاامر کی اطاعت بھی اطیعو اللہ و اطیعو الرسول کے تحت ہی ہے کہ
وہ اپنے پاس سے نہ تو کوئی حکم دے سکتے ہیں اور نہ ہمارے لیے
اسے ماننا ضروری ہے۔

امام جعفر صادق، امام ابو حنیفہ، امام احمد، امام مالک ، امام شافعی رحمہم
اللہ یہ تمام بزرگ اس لائق ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے لیکن ایک
بات پر ضرور غور و فکر کرنا چاہیے وہ یہ کہ اللہ کریم نے اس دین کی
حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ قرآن کا محفوظ رہنا ایک بہت بڑا معجزہ

ہے۔آج اگر کوئی ہم سے سوال کرے کہ کیا یہ وہی قرآن ہے جو
رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تو ہمارے پاس اس کا جواب تواتر کے سوا
کچھ بھی نہیں کہ لوگ اسے صدیوں سے مان رہے ہیں لہذا یہی
ہے۔اللہ کریم نے حدیث کی حفاظت کے لیے مختلف اسلوب اپنایا
وہ بھی کسی معجزے سے کم نہیں جسے ہم اسماء الرجال کہتے ہیں۔
ہزاروں راویوں کے نصب، حالات،اساتذہ کو اللہ کریم نے محفوظ رکھا
جن کی بنیاد پر محققین کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہتے ہیں۔سوچنے
کی بات یہ ہے کہ امام جعفر الصادق علیہ السلام ،ابو حنیفہ، شافعی،
مالک اور احمد ابن حنبل کے فرامین قرآن و سنت کی طرح ہرگز محفوظ
نہیں۔لہذا پہلے اس دین کو سمجھنے کی خود کوشش کرنی ہے اور جہاں

بے بس ہو جائیں ان میں سے کسی کی بھی پیروی کرلیں کوئی حرج

والی بات نہیں ۔ لیکن حقیقت میں معاملہ بالکل مختلف ہے ان

بزرگوں کے نام لیوا تو بہت ہیں ان کے پیروکار ہونے کا دعوٰی

کرنے والے بھی بہت لیکن یہ تسلی کرنے کی کوشش کسی نے نہیں

کی کہ جو عمل میں کر رہا ہوں کیا واقعی وہ ان بزرگ کا قول و فعل ہے ؟

حقیقت تو یہی ہے کہ ہم نے اس دین کو اتنا بے وقعت سمجھا کہ نہ

ہم نے قرآن پڑھا نہ حدیث کی کوئی کتاب بس ہماری مسجد کے

مولوی نے ان بزرگوں کا نام لے کر جو بات کہ دی وہی ہمارے لیے

دین بن گئی ۔

اہلحدیث یعنی غیر مقلدین حضرات کو میری یہ بات ہرگز ہضم نہیں ہو گی اور وہ اطیعو اللہ و اطیعو الرسول پر زور دیں گے ۔

یہ بات بالکل درست ہے اور کل بروز قیامت ہم جب اپنے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے تو وہاں یا تو قرآن ہماری دلیل ہو گا یا پھر رسول اللہ ﷺ کا فرمان ۔

جہاں مقلدین کو چاہیے کہ وہ فتوی دیتے وقت بجائے آئمہ کے اقوال پیش کریں قرآن کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کے کس فرمان سے استدلال کریں اور عام لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ یہ مطالبہ اپنے علمائے کرام کے سامنے رکھیں ۔ اور غیر مقلدین یعنی اہلحدیثوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ تقلید کو کفر کہنے سے باز رہیں کہ وہ خود بھی کسی نہ کسی مقام

پر جا کر مقلد ہی بنتے ہیں ۔ جیسے اکثر اہلحدیث عوام اپنے علمائے کرام
کے پیچھے چلتے ہیں اور حدیث کا مطالبہ کم ہی کرتے ہیں کیوں کہ
انہیں یقین ہے کہ ان کے علماء قرآن و سنت کی روشنی میں ہی
فتویٰ دیتے ہیں اور جو زیادہ پڑھے لکھے علماء ہیں وہ بھی اکثر مسائل
میں اپنے اساتذہ کی تحقیق کو ہی اپنے لیے کافی و شافی سمجھتے ہیں
خاص طور پر حدیث کی سند کے حوالے سے اکثر غیر مقلدین بھی مقلد
بن جاتے ہیں اور بڑے بڑے علماء اپنے ہاتھ کھڑے کر دیتے ہیں ۔
تو اب جب وہ خود مجبور ہوے تو یہ تقلید جائز ہو گئی اور دوسروں کے
لیے یہ کفر و شرک ۔

دونوں اطراف کو افراط و تفریط کا دامن چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنا پڑے گی ۔ تب ہی ہماری نفرتیں ختم ہوں گی۔ ہر فرقے نے اپنی من پسند سنتوں کو فرض بنا رکھا ہے ساری توجہ بس انہی من پسند سنتوں تک محدود ہے ۔

ہر فرقے کے ماننے والوں نے کچھ نئی چیزیں ایجاد بھی کر رکھی ہیں جو کہ ''حرج کیا ہے'' سے شروع ہوئیں اور دین میں ایک مستقل رکن کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ دین میں اس قسم کے اضافے کو بدعت کہا جاتا ہے اور دین میں کسی قسم کی کمی یا اضافے کا اختیار رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی نہیں کہ ہم سب صرف اور صرف ایک اللہ

کے غلام ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کوئی حکم اپنی طرف سے

نہیں دیا۔ کہ وہ وحی کو ہم تک پہنچانے والے ہیں۔

فرقہ واریت کی اس لگائی ہوئی آگ کو بجھانے کے لیے صحیح بخاری کی

حدیث نمبر 7506 میرے لیے بڑی کارگر ثابت ہوئی۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"ایک شخص نے جس نے (بنی اسرائیل میں سے) کوئی نیک
کام کبھی نہیں کیا تھا، وصیت کی کہ جب وہ مر جائے
تو اسے جلا ڈالیں اور اس کی آدھی راکھ خشکی میں اور آدھی دریا میں
بکھیر دیں کیونکہ اللہ کی قسم اگر اللہ نے مجھ پر قابو پا لیا تو ایسا عذاب مجھ کو
دے گا جو دنیا کے کسی شخص کو بھی وہ نہیں دے گا۔ پھر

اللہ نے سمندر کو حکم دیا اور اس نے تمام راکھ جمع کر دی

جو اس کے اندر تھی۔ پھر اس نے خشکی کو حکم دیا اور اس نے بھی

اپنی تمام راکھ جمع کر دی جو اس کے اندر تھی۔ پھر اللہ

تعالیٰ نے اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے عرض کیا

اے رب! تیرے خوف سے میں نے ایسا کیا اور تو سب سے زیادہ

جاننے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کو بخش دیا۔''

یہ روایت ہمارے متشدد رویے کہ ''صرف میرا فرقہ ہی جنت میں

جائے گا باقی سب جہنم میں'' کو ختم کرنے کے لیے انتہائی کارآمد

ہے۔کہ بظاہر متذکرہ بالا شخص یہ سمجھتا تھا کہ اگر وہ اپنی میت جلوا

دے اور اسے مختلف حصوں میں پھیلا دے تو خدا اسے اکٹھا نہیں کر

سکے گا لیکن اپنے خوف الہی میں سچا تھا تو بخش دیا گیا۔

میرے محترم بھائیو، قرآن و سنت پر اکٹھا ہونا انتہائی اعلی ہے لیکن جب قرآن و سنت کو ہی سمجھنے میں غلطی لگ جائے تو اسے محض غلطی ہی سمجھ کر اپنے بھائیوں کی اصلاح کی کوشش کریں اور انہیں کافر وغیرہ کہنے سے باز رہیں کہ آپ دل کے رازوں پر آگاہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ہم بات شروع ہی اس فیصلے سے کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دوسروں کی اتباع شروع کر دی میرے بھائی کوئی ایک بھی آپ کے اس دعوے کی تائید نہیں کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر ایک کے دل میں موجود ہے لیکن یہ حقیقت بھی تسلیم کرنی چاہیے کہ ہر ایک اتنا فہم و شعور نہیں رکھتا کہ خود ہی ہر مسئلے کی تحقیق کرے۔

اہلحدیثوں کی بہت بڑی اکثریت انہی مسئلوں کو من و عن تسلیم کرتے ہیں جن کی تحقیق ان کے دوسرے اہلحدیث علماء نے کی۔ ہاں اہلحدیثوں کا ایک طرہ امتیاز یہ ضرور ہے کہ یہ فتوی میں قرآن کی آیت یا رسول اللہ ﷺ کا فرمان حوالے کے ساتھ ضرور پیش کرتے ہیں۔ دیگر فرقوں کا بھی دعوی قرآن و سنت کی پیروی کا ہی ہے لیکن وہ قرآن و سنت کا حوالہ مانگنا اپنے مقلدین کے لیے گستاخی تصور کرتے ہیں۔

ہر فرقہ اس حقیقت کو تسلیم کرے کہ ہمارے ذمہ بتا دینا ہے منوانا ہماری ذمہ داری نہیں اور جنت و جہنم کے فیصلے تو قطعاً ہماری ذمہ داری نہیں یہ اللہ کریم ہی بروز قیامت کریں گے۔

میرے استاد محترم مفتی اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ لوگوں کے باطل عقائد کا رد اور ان کی اصلاح کی کوشش ضرور کرنی چاہیے لیکن کافر صرف وہ ہو گا جو اللہ کے وجود کا انکار کر دے یا پھر رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے کا انکار کرے یا پھر کسی اور کو نبی مان لے۔

اسلام اور لبرل ازم

مستقبل قریب میں ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم بچوں کو پیش آنے والی آزمائشوں میں سے ایک لبرل ازم ہے اسی مقصد کے لیے دوسری اصطلاح ماڈریٹ اسلام کی استعمال کی جاتی ہے۔

ان لوگوں کو اسلام جیسے کامل منزل من اللہ نظام زندگی پر کیچڑ اچھالنے کا موقع مذہب کے علمبرداروں نے دیا جنھوں نے اس عظیم الشان نظام کو مکمل طور پر رائج کرنے کی بجائے چند سطحی اختلافی مسائل کو

دین بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا اور زندگیاں اسی مقصد کے گزار دیں ۔ الا ماشاء اللہ

لبرلز کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو گاڑی کے شیشے کھول کر ایئر کنڈیشنر چلائے اور شور مچا دے اس گاڑی میں نقص ہے اس کا اے سی کام نہیں کر رہا۔ گاڑی تو تب ٹھنڈی ہو گی جب شیشے بند ہوں گے ۔

یہ لوگ اسلام کے جزو کو لے کر اس پر اعتراضات شروع کر دیتے ہیں یاد رہے جزوی اسلام کے جزوی فوائد تو ہو سکتے ہیں لیکن ایک مثالی معاشرے کے قیام کے لیے کبھی بھی کارگر ثابت نہیں ہو سکتا۔
مثال کے طور پر اگر آپ زکوۃ کے نظام کو مکمل رائج کیے بغیر چوری پر ہاتھ کاٹنا شروع کریں گے تو لوگوں کو اس مذہب کو ظالمانہ کہنے کا موقع

مل جائے گا لیکن اگر حکومت وقت لوگوں کی بنیادی ضروریات کو مکمل پورا کرے گی اور خود عیاشی سے باز رہے گی اب اگر کوئی چوری کرتا ہے تو ہاتھ کاٹنا انصاف ہو گا اور کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکے گا اور نہ ہی چور خود کو مظلوم ثابت کر سکے گا۔ اللہ کریم نے بھی ہمیں دین اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت 208 میں فرمان باری تعالیٰ ہے۔

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ

''مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے''

دوسری بڑی چیز جس نے لبرل ازم کے نام پر ان لوگوں کے ذہنوں میں خناس بھرا ہے وہ دین اسلام سے دوری اور مغرب کے شتر بے مہار معاشرے سے متاثر ہونا ہے۔ آپ خود مشاہدہ کرلیں دین اسلام پر اعتراضات کرنے والے ان لوگوں نے نہ تو مکمل قرآن پڑھا ہو گا نہ کوئی تفسیر نہ ہی کسی حدیث کی کتاب کا مکمل مطالعہ کیا ہو گا یہ لوگ دین اسلام کے متعلق بس وہی کچھ جانتے ہیں جو انہیں اسلام پر اعتراضات کرنے والے کفار سکھاتے ہیں۔

یہ لوگ کافروں جیسی آزادی چاہتے ہیں اور اپنے آپ سے اسلام کا لیبل بھی نہیں ہٹانا چاہتے۔ حالانکہ اصطلاح مسلم کا مطلب ہی یہی ہے کہ زندگی میں اب میری ذاتی مرضی سے کوئی کام نہ ہو گا جو کچھ ہو

گا وہ اللہ کے فرمان اور رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو گا۔

عورت کی مظلومیت کہ جسے ہم مسلمان اس کا تحفظ سمجھتے ہیں ان کا نواجون لڑکے لڑکیوں کو گمراہ کرنے کا بہترین حرجہ ہے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بچے اکثر دینی تعلیم سے دور ہوتے ہیں وہ ان لبرلز کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں فرقہ وارانہ فسادی علم سے بہرہ مند ملاں سے جب وہ عورت کی گواہی آدھی کیوں ؟ مرد کو چار شادیوں کی اجازت کیوں ؟ عورت گھر میں قید کیوں ؟ وراثت میں حصہ کم کیوں ؟
جیسے سوالات کرتے ہیں تو ملاں بجائے منطقی جواب دینے کے غصہ اور کفر کے فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں ۔ میڈیا ان کے ساتھ

ہے کہ وہ بھی صرف ان سطحی علم رکھنے والے ملاوں سے اسلام کی

نمائندگی کرواتا ہے۔ غامدی جیسے کچھ دانشوڑان کے ہمنوا بھی بنے

ہوئے ہیں اور وہ پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو اسلام کا چہرہ

مسخ کرنے کی کھلی چھٹی دی جائے۔

اسی طرح ان جعلی دانشوروں کی اکثریت مغرب کی بڑی دلدادہ ہے

اور مثالیں دیتے ہیں کہ وہاں عورت انتہائی محفوظ ہے۔

ان ممالک کے کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر اداروں میں عورتوں کے

جنسی استحصال اور زنا بالرضا کو چھوڑ کر صرف ریپ کیسز کا ہی ڈیٹا دیکھ

لیں جو رپورٹ ہوئے ہیں تو ان کے عورت کے تحفظ والے بیانیہ کا

بھانڈہ پھوٹ جائے گا۔ جو ریپ کیسز رپورٹ نہیں ہوئے وہ الگ ہیں۔

یہ لوگ زندیق ہیں کہ جو مسلمان رہتے ہوئے اسلام کی تعلیمات کو کالعدم کرنا چاہتے ہیں۔

ویسے تو جب ہم نے خدا کا وجود مان لیا منطقی دلائل کی روشنی میں کہ وجود خدا اور آخرت کے عقیدے کے بغیر یہ زمین کمزوروں کے لیے انتہائی غیر محفوظ ہو جائے گی اور وہ اپنی جان، مال اور عزت کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ اس قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم کر لیا تو اب اسلام کے جزوی احکامات پر اعتراضات کی کوئی وجہ نہیں رہتی کہ یہی لبرل چند ٹکوں کے عوض اپنی ملازت کے دوران ہر کام

بغیر اگر، مگر اور کیوں کے کرتے ہیں اسی طرح جس ملک میں رہتے

ہیں اس کے قوانین کو فالو کرتے ہیں تو اللہ کہ جس نے ہمیں بے شمار

نعمتوں عطا کیں اس کے احکامات من و عن تسلیم کرنے میں تردد

کیوں؟ بہر حال پھر بھی میں ان لبرلز کے اعتراضات اور ان کے جو

جوابات علمائے حق نے دیے ہیں جاننے کی کوشش ضرور کرنی

چاہیے۔ ہمارے جو بھائی ان لبرلز کے خیالات سے بہت زیادہ متاثر

ہیں ان کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ان لبرلز کے اعتراضات سن کر ان کے

قائل ہو جاتے ہیں اور علمائے حق نے جو جوابات دیے انہیں تلاش

کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ وہ کسی مولوی سے

اس کا جواب پوچھتے ہیں جو بیچارہ فرقہ وارانہ فسادی مسئلوں میں الجھا ہوا ہے اسے کیا معلوم ان اعتراضات کے کیا جوابات ہیں ۔

اللہ کی رحمت ہو شیخ احمد دیدات اور ڈاکٹر ذاکر نائک پر جنہوں نے ان تمام اعتراضات کے خوب منطقی جوابات دیے ہیں ۔ یہ اعتراضات کوئی نئے نہیں غیر مسلم یہ اعتراضات اسلام پر کافی لمبے عرصے سے کر رہے ہیں اور ہمارے لبرل دوستوں نے بھی یہ اعتراضات انہی غیر مسلموں سے ہی سنے یا پڑھے ہیں ۔

مفتی اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ اور عقیدہ ختم نبوت ﷺ

قادیانی کہتے ہیں کہ اللہ نے شیطان کو قیامت تک کی چھٹی دے رکھی ہے اور ہدایت کا دروازہ انبیاء کرام علیہم السلام کو نہ بھیج کر بند کر

دیا۔ اسی طرح درود ابراہیمی میں بھی ہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل کے لیے وہی رحمت اور برکت مانگتے ہیں جو ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر ہوئی اور ہم سب جانتے ہیں کی ابراہیم علیہ السلام کی آل میں نبی آئے ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ خاتم النبیین محمد کریم ﷺ کے بعد بند ہوگیا لیکن رب العالیمین عزوجل کی طرف سے ہدایت کا سلسلہ بذبان علمائے ربانی الہام کی صورت جاری ہے۔ قادیانیوں کے اس منطقی اعتراض کا جواب مفتی اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ نے بہت خوب دیا تھا لیکن فرقہ پرستوں نے اُن پر منکر ختم نبوت کا اعتراض جڑ دیا۔ انجینئر محمد علی مرزا صاحب بھی اُن کے ہمنوا بن گئے۔

کمالات نبوت تین ہیں ۔ وحی، شریعت اور معجزہ مفتی صاحب نے

یہ فرمایا تھا یہ تینوں کمالات جاری ہیں وحی، الہام کی صورت

میں ۔ شریعت اجتہاد کی صورت میں اور معجزہ کرامت کی صورت میں

لیکن ان تینوں کمالات کے ہونے کے باوجود کوئی بھی نبوت کا

دعوی نہیں کر سکتا۔ الہام ، اجتہاد اور کرامت کو مسلمانوں کے سبھی

گروہ مانتے ہیں ۔ بس یہ بات تھی جسے یار لوگوں نے منکر ختم نبوت

بنا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے عقیدہ ختم نبوت سمجھا ہی مفتی

اسحق رحمتہ اللہ علیہ سے ہے ۔ کہ رسول اللہ ﷺ کو مان لینے کے

بعد ہمارے مسلمان رہنے کے لیے کسی اور کو ماننا ضروری

نہیں ۔ مفتی صاحب نے فرقہ پرستوں کی بھی اس معاملے میں

خوب گرفت کی تھی کہ کچھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ ماننے والوں کو کافر کہتے ہیں اور کچھ مولا علی علیہ السلام کی امامت نہ ماننے والوں کو کافر مانتے ہیں۔

وحی، شریعت، معجزہ اور الہام، اجتہاد، کرامت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ابلیس اپنے چیلوں کو جو نئی چال اور اعتراض تعلیم کرتا ہے اللہ کریم اپنے کسی نہ کسی بندے کے ذریعے اس کا رد الہام فرما دیتا ہے۔ البتہ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ خیال کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ ہم سب اس خیال کے اللہ کی طرف سے ہونے کا محض گمان ہی کر سکتے ہیں قطعی دعویٰ صرف اور صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی کر سکتے ہیں۔ اسی طرح معجزہ کے

اللہ کی طرف سے ہونے کا بھی یقین صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب وہ اللہ کے نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوں وگرنہ تو دجال بھی کئی مافوق الفطرت چیزیں کر دکھائے گا۔ اور اجتہاد کی حیثیت بھی شریعت جیسی ہرگز نہیں ہو سکتی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد نہ مان کر بھی بندہ مسلمان ہی رہتا ہے یہ خاصہ صرف قرآن و سنت کا ہے کہ جن کا انکار کفر ہے۔

میری اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہی ہے کہ اگر ہم اس دنیا میں اپنے جان ، عزت اور مال کی حفاظت چاہتے ہیں اور پر سکون زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں وجود خدا کا عقیدہ ماننا پڑے گا کہ دنیا کے تمام اسباب ہماری حفاظت نہیں کر سکتے جو لوگوں کے دلوں میں سب کچھ دیکھنے اور سب کچھ جاننے والے خدا کا ڈر کر سکتا ہے ۔

وجود باری تعالی کے بعد آخرت کا عقیدہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ اگر ہمیں یہ یقین نہ ہو کہ ہم مر کر زندہ کیے جائیں گے اور اپنے اعمال کے اللہ عزوجل کے سامنے جوابدہ ہوں گے تو محض وجود باری تعالی کا عقیدہ بھی کافی نہیں ۔

ان دونوں عقائد کے بعد ہمیں اپنی زندگی گزارنے کے لیے قوانین کی ضرورت ہے جس کے لیے ہمیں قرآن کو ماننا پڑے گا اور قرآن کو ماننے کے لیے ہمیں محمد کریم ﷺ کو اللہ عزوجل کا رسول ماننا پڑے گا کہ یہیں سے ایسے قوانین ملیں گے جو ہماری حفاظت کے ضامن ہیں۔ کئی اسلامی تنظیمیں کافروں کو مسلمان کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں میرا یہ ماننا ہے کہ اگر ہم مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنا دیں تو کافر خود بخود مسلمان ہو جائیں گے۔ اور حقیقی مسلمان بننے کے لیے ہمیں عبادات کو محض رسومات سمجھ کر ادا نہیں کرنا بلکہ ان کی حقیقی روح اور فلسفہ کی تلاش کرنی ہے اس کے بعد یہ حقیقی مسلمان بھی اس وقت کارگر ہوں گے جب زمین کے خطے پر وہ اسلامی نظام

جو رسول اللہ ﷺ نے قائم کر کے دکھایا اور خلفائے راشدین نے

جسے تیس سال قائم رکھا۔ جب تک یہ نظام قائم نہیں ہو گا لوگوں کو

آخرت میں تو یہ اسلام فائدہ دے گا دنیا میں وہ ثمرات نہیں ملیں

گے جو کافروں کو قبول اسلام کے لیے قائل کر سکیں۔ یہ بحث کہ

اسلام تلوار کے زور پر پھیلا بھی ختم ہو جائے گی کہ اسلام اپنے نظام

کی قوت سے پھیلا۔ یہ نظام انسانیت کی کل بھی ضرورت تھی اور

آج بھی۔ ہم سب مسلمانوں کو یہ نظام قائم کر کے دنیا کو دکھانا چاہیے

اور یقین جانیں اس کے لیے نہ تو جدید ہتھیاروں کی ضرورت ہے اور

نہ ہی جدید ٹیکنالوجی کی۔ یہی نظام کافروں کو بھی مسلمان بنا دے گا

اور منہ بولے مسلمانوں کو بھی حقیقی مسلمان۔

مسلمانوں خاص طور پر پاکستانی مسلمانوں کی غیرت کو جھنجھوڑنے والا ایک واقعہ

فیس بک پر ایک ویڈیو دیکھی جس کا احوال کچھ یوں ہے کہ ایک عالم صاحب امریکہ میں راہ چلتے لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور اسلام سے متعلق سوالات کے جوابات دے رہے تھے اسی اثنا میں ایک امریکی شہری اپنے کتے کو سیر کروانے کے لیے جا رہا تھا تو وہ اس عالم کے پاس رکا اور ایک سوال کیا کہ آپ کہاں سے ہیں ؟ یہ کونسی جگہ ہے ؟ تو عالم صاحب نے جواب دیا یہ امریکہ ہے اور میں پاکستان سے ہوں ۔ اس امریکی شہری نے اگلا سوال کیا کہ آپ یہاں کیوں ہیں ؟ عالم صاحب نے فرمایا میں اپنی مرضی سے یہاں ہوں

اس پر اس امریکی نے پورے عالم اسلام اور خاص طور پر پاکستانی مسلمانوں کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ مارا۔

اسلام نے تمہارے ملک کو رہنے کے قابل نہیں رہنے دیا تو تم لوگ یہاں آ گئے ۔ عالم صاحب غصہ میں آئے اور اسے بے وقوف کہا اور بات کو طالبان وغیرہ کی طرف موڑنے کی کوشش کی ۔

امریکی شہری نے جو اسلام کو قصوروار ٹھہرایا وہ بالکل غلط لیکن اس کی اس غلط سوچ کا ذمہ دار کون بنا ؟ ہم مسلمان کہ اسلام کا تعارف تو ہم ہی ہیں ۔ خاص طور پر پاکستانی مسلمان کہ جو خود کو سب سے زیادہ نیک اور اصلی مسلمان سمجھتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ شاید ہی کوئی ایسی اخلاقی برائی ہو جو ہم پاکستانیوں میں نہ ہو۔ اور جب دنیا ہمیں ہمارا اصلی

بھیانک چہرہ دکھاتی ہے تو ہم یہ رونا روتے ہیں کہ ہمارے ساتھ یہ
رویہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہے۔ کچھ نظر ذرا اپنے کرتوتوں پر بھی
کرلیں تو اسلام کو الزام ہرگز نہ دیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ؕ

''وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔''

سورۃ الرعد کی آیت 28 کو اکثر مسلمانوں نے اپنے اپنے انداز میں سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ کچھ نے ذکر اللہ سے مراد دن اور رات کے لاتعداد نوافل لیے۔ کچھ نے سینے پے اللہ ہو کی ضربیں سمجھا۔ کچھ نے جنگلوں بیابانوں کا رخ کیا اور چلے کیے۔ کچھ نے نعت خوانی اور محفل سماع سمجھا۔ کچھ لوگ صوفیاء کے مزاروں پر تصوف کی دنیا میں کھو

گئے۔ الغرض ہر ایک نے جو سمجھا وہ سمجھا۔ صحیح غلط کی بحث کو چھوڑ کر

میں یہاں اپنا نقطہ نظر رکھتا ہوں ۔ ذکر سے مراد قرآن و سنت ہے کہ

جسے نازل بھی اللہ نے کیا اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ نے لیا۔

اطمینان قلب اس ذکر سے کیسے حاصل ہوتا ہے۔

سب سے بڑی بے چینی جو کسی ذی شعور شخص کے دل میں پیدا

ہوتی ہے وہ یہ کہ جب وہ اس کائنات کی حقیقت کے بارے میں

غور کرتا ہے۔ قرآن و سنت اس کی اس سب سے بڑی بے چینی کو

مکمل رفع کرتے ہیں اور یوں ان کے ذریعے سے انسان کا رابطہ

اپنے خالق سے ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ زندگی کی تمام پریشانیاں مکمل ختم ہو جاتی ہیں اگر اس ذکر کو معاشرے میں مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے۔

یہ ذکر انسان کو اس کی جان، عزت اور مال کا تحفظ دے کر اسے مکمل سکون عطاء فرماتا ہے۔ اگر بیمار ہو جائے تو کوئی پریشانی نہیں ریاست علاج اور اس کے اہل کی کفالت کی مکمل ذمہ دار ہے۔ اگر مر جائے تو جائداد پورے انصاف سے تقسیم ہوگی۔ اس کے بچوں پر اور دیگر لواحقین پر ظلم نہ ہوگا۔ راستے مکمل محفوظ۔ مال چوری ہونے کا ڈر نہیں۔ کاروبار میں نقصان تو ریاست بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے موجود۔ الغرض انسان کے دل میں کوئی پریشانی نہیں رہتی اور مکمل سکون ہی سکون۔

اس تحریر میں کچھ اچھا لکھا گیا ہے تو وہ سب رب رحمان عزوجل کی عطاء اور اسی کی توفیق سے ہے اور جتنی بھی خطائیں ہیں سب میری طرف سے ہیں اللہ کریم سے معافی کا طلبگار ہوں۔ اللہ کریم ہم سب پر رحم فرمائے اور ہم سب کو فرقہ واریت کی کثافتوں سے پاک اسلامی نظام کو سمجھنے اور اسے پہلے پاکستان اور پھر پوری دنیا پر رائج کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین ثم آمین

ابو طلحہ جواد نواز---- 03082788378